تصوف کے حقائق و معارف

عرفانِ حق

تصنیف

حکیم سید امین الدین احمد قادری خوشحالی

جمعیت اشاعت اہلسنت پاکستان

نور مسجد کاغذی بازار کراچی ۷۴۰۰۰

Ph : 021-2439799 Website : www.ishaateislam.net

تصوف کے حقائق و معارف

تصنیف

حکیم سید امین الدین احمد قادری خوشحالی

ناشر

جمعیت اشاعت اہلسنّت (پاکستان)

نور مسجد، کاغذی بازار، میٹھادر، کراچی، فون: 2439799

نام کتاب : عرفانِ حق

تصنیف : حکیم سید امین الدین احمد قادری خوشحالی

سن اشاعت : شعبان المعظم ۱۴۲۹ھ۔ اگست ۲۰۰۸ء

تعدادِ اشاعت : ۲۸۰۰

ناشر : جمعیت اشاعت اہلسنّت (پاکستان)

نور مسجد کاغذی بازار میٹھادر، کراچی، فون: 2439799

خوشخبری: یہ رسالہ website: www.ishaateislam.net پر موجود ہے۔

پیشِ لفظ

زنادقہ صدیوں سے تصوف کے خلاف تقریر وتحریر میں مصروف ہیں دوسری طرف اہلِ حق علماء، خطباء، مصنّفین، مؤلفین اپنے اپنے طور پر قرآن وسنّت کی روشنی میں حق کا دفاع اور باطل کا دفیعہ کرتے رہے ہیں اور اہلِ تصوف اپنے کام میں مشغول رہے اس طرح اہل اسلام کی اصلاح کا سلسلہ جاری رہا، اور معاندین کی زیر افشانی سے مسلمانوں کی اکثریت محفوظ رہی لیکن جب سے پرنٹ میڈیا عام ہو پھر الیکٹرانک میڈیا آیا تو مخالفین حق نے باطل کی اشاعت کے لئے انہیں ذریعہ بنایا اس میڈیا کو جیسے جیسے رواج ملتا گیا ان کی سرگرمیاں بھی بڑھتی گئیں اور بعض عناصر کو حکومتی سرپرستی حاصل ہے اور اُن میں سے کچھ تو ایسے ملیں گے کہ جن سے پوچھا جائے کہ حق کیا ہے تو وہ کہیں گے جو ہم کہیں، اور پوچھا جائے کہ قرآن کی تفسیر کونسی درست ہے وہ جو جواب دیں گے جو میں کروں، حدیث کی کونسی معتبر ہے تو جواب ہوگا کہ جسے میں کوڈ کروں، احادیث کی شرح کونسی دیکھنی چاہئے تو مشورہ ہوگا جو شرح میں کروں، مذہب کونسا دست ہے تو جواب ہوگا کہ میرا، اور ایسے لوگ حق اور اہلِ حق کے خلاف زہر اگلتے ہوئے ذرہ برابر جھجکتے تک نہیں اور میڈیا والے بھی شاید انہی کے گروہ کے ہیں اگر نہیں تو جاہل مطلق ہیں اگر یہ بھی نہیں تو انہیں اپنے چینلز چلانے سے غرض ہے، یہ نہیں دیکھتے کہ وہ قوم کو گمراہی کے منہ میں دھکیلنے کا التزام کر رہے ہیں اور کتنے لوگ اُن کے اس فعل سے کتنے لوگوں کی دنیا وآخرت برباد ہو رہی ہے۔ پوری قوم میں ایسا اعتقادی مرض پھیلانے کا کام کر رہے ہیں کہ جس کا کوئی علاج نہیں۔

بہر حال اس میڈیا سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد کا معلوم کرنا ہم جیسے لوگوں کے لئے بہت مشکل ہے ایک عام رائے جسے لوگ خصوصاً اس کے مدّاح فخریہ طور پر بیان کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ یہ تعداد لاکھوں سے متجاوز اور کروڑوں میں داخل ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ حق کے خلاف بولنے والا بیک وقت کروڑوں مسلمانوں کو گمراہ کر رہا ہے اور اس چینل کے مالکان، عہدیداران اور معاونین اس کا التزام کر رہے ہیں۔

تو اب ضرورت اس امر کی ہے کہ جو شخص جس سطح جس مقام، جس عہدے، جس مرتبے

پر ہے جتنی اس کی وسعت ہے وہ اہل باطل کے باطل نظریات کا ابطال کرے اور حق لوگوں کے سامنے پیش کرے، اگر ایسا نہ کیا تو پھر بہت دیر ہو جائے گی، اپنی اکثریت پر فخر کرنے والی قوم اپنی اقلیت پر روئے گی مگر حاصل کچھ نہیں ہوگا اور لوگوں کو چاہئے اہل حق جن کے بارے میں کہہ دیں کہ یہ شخص گمراہ ہے تو اس کی تقریر سننا اور ان کی تحریر پڑھنا چھوڑ دیں، یہ نہ سوچیں ہم صرف سنتے ہیں یا ہر صرف پڑھتے ہیں، عمل تھوڑی کرتے ہیں، ایسی بات نہیں ہے کیونکہ یہ لوگ بڑے مکار، فریب کار، الفاظ اور دھوکہ باز ہوتے ہیں کہ ان کے فریب کا ادراک کرنا اچھے اچھوں کے لئے مشکل ہو جاتا ہے اور یہ تو عوام ہیں اور گمراہ کرنے کے لئے وہ نام قرآن وسنّت کا لیتے ہیں، بات اپنی کرتے ہیں، آیتیں قرآن کریم کی پڑھتے ہیں ترجمہ وتشریح اپنی طرف سے کرتے ہیں، مطالیب ومفاہیم ان کے اپنے ہوتے ہیں، اب مفہوم غلط ہے یا صحیح، مطلب درست ہے یا نہیں اس کا فیصلہ عوام بیچارے کیا کریں گے، اور پھر جو بات کانوں پر پڑتی ہے وہ کبھی دل پر بھی اثر کر جاتی ہے اور جیسے کوئی شخص اپنا بچہ ایسے ادارے یا ایسے شخص کے پاس تعلیم وتربیت کے لئے بھیج دیتا ہے ہم کہتے ہیں کہ بھائی یہ شخص صحیح نہیں یا یہ لوگ درست عقائد کے حامل نہیں اپنے بچے کو ان سے دور کرو تو وہ کہتا ہے حضرت ہمارا بچہ تو صرف قرآن کریم ناظرہ یا حفظ کے لئے جاتا ہے وہ ایسے کیا گمراہ کرے گا اور اس کے عقائد کیا خراب کرے گا، ابھی کچھ عرصہ ہی گزرتا ہے وہ روتا ہوا آتا ہے کہ ہمارا بچہ کہتا ہے یا رسول اللہ کہنا غلط ہے، یہ کہتا ہے ایصال ثواب بدعت ہے یا اذان سے قبل درود وسلام پڑھنا کہیں سے ثابت نہیں ہے، الغرض وہ بچہ اپنے مُعلّم کے نظریات کو قبول کر لیتا ہے، تو گمراہ کن بات سننا یا پڑھنا یقیناً مضر ہے اس سے بچنا اپنے ایمان کو بچانے کے لئے ضروری ہے۔

اور آج کل تصوف کے بارے میں عوام میں ایک فاسد خیال، غلط نظریہ جنم لے رہا ہے اس کا سبب چند لوگوں کا میڈیا پر تصوف کے خلاف بولنا، اس کی غلط تشریح کرنا، اسے بے فائدہ ثابت کرنا ہے، آپ لوگوں نے دیکھا ہوگا کہ علم دین سے بے بہرہ یا حق سے دور متاثرین مغربی نظریات نے چند روز تک میڈیا پر ''حدود شرعیہ'' میں کام کرنا شروع کیا تو عوام میں کس قسم کی باتیں دیتی تھیں کوئی کچھ کہتا کوئی کچھ، اور کوئی تو قرآن کریم میں صراحتاً کے بیان شدہ حدود کا برملا انکار کرتا سنائی دیتا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ابتدائیہ

تصوف تلاشِ حقیقت کے عمل کا نام ہے، علم باطن تصوف کی بنیاد ہے اور عشق ومحبت اور حصولِ رضائے الٰہی اس کا اصل مدعا، علم وعمل، عرفانِ ذات اور خود آگہی کے ذریعے حقیقت کو پہنچنا تصوف کی معراج ہے، مولانا روم فرماتے ہیں:

شریعت ہمچوں شمع است کہ راہ مے نماید، چوں درراہ آمدی رفتنِ تو
طریقت است وچوں بہ مقصود سیدی آں حقیقت است

بعض حضرات کا خیال ہے کہ صرف اوامر ونواہی شریعت کا پابند ہونا تصفیۂ قلب اور تزکیہ نفس کے لئے کافی ہے اور کسی شیخ کامل کی صحبت کی ضرورت نہیں، صوفیہ کرام رحمہم اللہ کا بھی انکار کرنے والا ہر ایک زمانہ میں موجود رہے ہیں، چنانچہ ابن جوزی علیہ الرحمۃ جیسے محدث نے بڑے زور شور سے بڑے بڑے اکابر اہل عرفان حق کہ جنید وشبلی رحمہما اللہ جیسے آئمہ طریقت کی ان الفاظ میں تردید کی کہ مجھے اپنی جان کی قسم ہے کہ ان صوفیہ نے شریعت کی بساط کو لپیٹ دیا ہے، کاش یہ لوگ طریقہ صوفیہ کی پیروی نہ کرتے۔

امام عبدالوہاب شعرانی نے دیباچہ لواقح الانوار میں لکھا ہے کہ گروہ صوفیہ کے خلاف ہر زمانہ میں برابر صف آرائی ہوتی رہی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جس مقام پر ان لوگوں کی ترقی اور رسائی ہو جاتی ہے، عامۂ عقول اس کو سمجھنے سے قاصر ہوتی ہے مگر یہ لوگ اُن منکرین کی کچھ پرواہ نہیں کرتے بلکہ پہاڑ کی طرح ثابت قدم رہتے ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل اللہ کے علوم ہرگز شریعت سے باہر نہیں ہیں۔ اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے چونکہ شریعت ہی تو اُن کے لئے وصول الی اللہ کا ذریعہ ہے اور وہ ایک آن کے لئے بھی طریقِ شریعت سے علیحدہ نہیں ہو سکتے چنانچہ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل تصوف کا علم کتاب وسنت کے ساتھ مضبوط کیا

گیا ہے۔

امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ کا قاعدہ تھا کہ فقہ کے دقیق سے دقیق مسائل کو بغرض استفسار شیخ وقت ابوحمزہ بغدادی قدس سرہ کی خدمت میں بھیجا کرتے اور شیخ کے جوابات کے پورا پورا اطمینان حاصل کرتے تھے۔

امام ابوالعباس بن شریح جب حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو بعد مصاحبت وگفتگو کے فرمانے لگے کہ اس شخص کا کلام نہایت دقیق ہے جس کا سمجھنا آسان نہیں البتہ اس میں ایک غیر معمولی حشمت وشوکت بھی مضمر ہے جو کسی جھوٹے مدعی کو ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی۔

محدث ابوعمران رحمۃ اللہ علیہ جب حضرت شبلی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حیض کے متعلق چند ایک دقیق سوالات میں آپ کا امتحان لیا تو آپ نے ساٹھ ایسے مسائل کا اضافہ کیا جن کی نسبت ابوعمران کا بیان ہے کہ انہیں پہلے ہرگز علم نہ تھا۔

شیخ عز الدین محدث رحمۃ اللہ علیہ جو مشاہیر علماء میں سے ہیں قبل از مصاحبت مشائخ کرام نہایت اصرار وتعصب سے کہا کرتے کہ یہ کیا بدعات ہیں جو اس فرقۂ صوفیا نے پھیلائی ہیں۔ بھلا کتاب وسنت کی پیروی کے علاوہ کوئی اور بھی طریقہ ہو سکتا ہے مگر جب ایک موقعہ پر دمیاط (مصر) میں بڑے بڑے محدثین اور فقہاء مثلاً شیخ تقی الدین ابن دقیق العید اور شیخ مکین الدین محدث کی مجلس میں آپ کو حاضر ہونے کا موقعہ ملا تو امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ تصوف کی بعض عبارات پر گفتگو ہونے لگی اتنے میں شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے آئے چونکہ آپ مشائخ وقت میں سے تھے سب نے استدعا کی کہ آپ اس کے متعلق کچھ فرمایئے، آپ نے جواب دیا کہ اس قدر ماہرین کتاب وسنت کے ہوتے ہوئے میرے بولنے کی کیا ضرورت ہے مگر بار بار کے اصرار پر آپ نے ان مقامات کی ایسی تشریح کی کہ شیخ عز الدین بلا اختیار پکار اٹھے: سنو! سنو! یہ کلام تو الہامی معلوم ہوتا ہے اور اس سے حقانیت کے انوار چمکتے نظر آتے ہیں۔

کتاب طبقات (شعرانی) میں ہے کہ شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے امام فخر الدین رازی، صاحب تفسیر کبیر کو ایک رسالہ ارسال کیا جس میں انہوں نے امام کے علم و

فضل کے مرتبہ کو تسلیم کر کے انہیں بعض علوم میں بے خبر ثابت کیا اور کہا "میرے بھائی خدا تمہیں توفیق دے تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اہل حقیقت کے نزدیک کامل العلم نہیں ہوتا جب تک وہ منقولات و معقولات کی اصطلاح پرستی سے آگے نہ نکل جائے چونکہ جو شخص محض تقلیدی طور پر اپنے اساتذہ کے علم تک محدود رہتا ہے اور جزئیات کی چھان بین میں اپنی عمر عزیز کو ضائع کر دیتا ہے وہ مقصودِ اصلی یعنی حصولِ رضا رضاءِ الٰہی سے ہٹ جاتا ہے۔

عزیزمن اگر تو کسی اہل اللہ کی مجلس میں بیٹھ کر حقیقتِ شریعت سے آگاہ ہو تو وہ تجھے بہت جلد شہودِ حق کے مرتبہ تک پہنچا دے گا جس سے تجھے خدائے تعالٰی کی طرف سے علوم حقیقت عطا ہونے لگیں گے۔

لہٰذا ضروری ہے کہ تو وہ علم حاصل کر جس سے تیری ذات کو کمالِ حقیقی حاصل ہو اور جو مرنے کے بعد تیرے ساتھ ہو اور یاد رکھو کہ اصلی علوم وہی ہیں جو وہبی طور پر اور بطور مشاہدہ اللہ تبارک وتعالٰی کی طرف سے دیئے جاتے ہیں۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک عارف علم کے تمام رموز سے واقف ہوتا ہے، وہ اسرار الٰہی کے حقائق اور دقائق کو آشکارا کرتا ہے، عارفِ عشقِ الٰہی میں کھو جاتا ہے اور اٹھتے بیٹھتے، سوتے اور جاگتے اُسی کی قدرتِ کاملہ میں محو اور متحیر رہتا ہے، عارف پر جب حال کی کیفیت طاری ہوتی ہے تو وہ اس میں ایسا مستغرق ہو جاتا ہے کہ اگر ہزار فرشتے بھی اس سے مخاطب ہوں تو وہ ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتا عالمِ ملکوت میں خداوند تعالٰی کی بارگاہِ مقربین پر اس کی نظر پڑتی ہے۔

ہمارے سلسلۂ طریقت کے مورث اعلیٰ قطب العالم، بدر الملت والدین فخر العارفین حضرت مولانا عبدالحی چاٹگامی قدس سرہ العزیز کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ ڈپٹی مستفیض الرحمٰن خاں صاحب ایم اے اور ڈپٹی صالح احمد صاحب آپ کے یہ دونوں مرید دربارِ عالی کے لئے روانہ ہوئے، کشتی میں ڈپٹی مستفیض میاں نے فرمایا حضرت کا تبحرِ علمی بے پایاں ہے جس کی کوئی حد نہیں ہے کونسا علم ہے جس پر گفتگو نہیں فرما سکتے، تمام علوم اور علوم کے دقائق ہمارے حضرت کے سامنے ایسے ہیں جیسے کوئی بہتا ہوا پانی۔ ڈپٹی صالح احمد صاحب نے کہا یہ درست ہے اور مشاہدہ بھی یہی ہے۔ بے شک علوم قدیمہ خصوصاً علوم اسلامیہ ودینیہ میں

آپ کا تبحر اور تفوق ایک حقیقت مسلمہ ہے لیکن سائنس جو زمانۂ حال کے علوم جدیدہ سے ہے اس کے بارہ میں آج تک کچھ نہیں سنا گیا، ڈپٹی مستفیض خان صاحب خاموش ہو گئے۔

جب یہ دونوں انگریزی تعلیم یافتہ جوانانِ صالح حضرت قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے صرف ڈپٹی صالح احمد صاحب کو مخاطب فرمایا اور ارشاد ہوا میاں صالح احمد! آؤ آج کچھ سائنس کی بات چیت (راستہ کی یہ گفتگو صرف ان دونوں صاحبوں تک محدود تھی اور کسی کو اس گفتگو کا علم نہیں تھا) اس کے بعد آپ نے سائنس کے مسائل ہوا اور پانی سے ابتدا کر کے پھر جو سلسلۂ کلام شروع فرمایا تو یورپ کے جدید سائنس کے مہمات و معلومات اور انتہائی مشکل مسائل کو احاطۂ تقریر میں سمیٹ لیا اور سائنس کی معلومات و انکشافات جدیدہ پر ایک ایسی بسیط و جامع و مانع تقریر فرمائی کہ یہ معلوم ہوا کہ ایک بحرِ مواج ہے جس کی موجیں یکے بعد دیگرے اٹھتی چلی آ رہی ہیں بہت دیر تک یہ سلسلۂ تقریر جاری رہا، یہاں تک کہ ظہر کے بعد سے اب نمازِ عصر کا وقت آ گیا، نمازِ عصر کے لئے آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور مصلّے پر تشریف لے جاتے ہوئے فرمایا کہ اس وقت ہمارے قلب میں خیالاتِ علمیہ موج در موج ایسے اٹھ رہے ہیں کہ بیان نہیں ہو سکتے آؤ بس نمازِ عصر پڑھ لیں، اس واقعہ کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ایک عارف باللہ کو تمام علوم دینیہ و دنیویہ پر کامل قدرت اور دستگاہ حاصل ہوتی ہے۔

صاحب جامع الاصول لکھتے ہیں کہ اندرونی نجاستوں اور غلاظتوں سے پاک وصاف ہونے اور نماز جو حضور قلب اور خشوع و خضوع سے ادا کرنا جس کو حدیث جبرائیل میں لفظ احسان سے تعبیر کیا گیا ہے اور جس میں:

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ

یعنی تو اللہ تعالٰی کی عبادت اس طرح کر گویا تو رب ذوالجلال کو دیکھ رہا ہے۔

کی طرف اشارہ ہے بغیر تربیت شیخِ کامل کے ممکن نہیں ہے چونکہ شیخ ہی اندرونی امراض کا واقف اور ان کا طریقۂ معالجہ کی مہارت رکھتا ہے یہ بات صرف امراض کا علم حاصل کر لینے اور کتابوں کے ذخائر پڑھ لینے سے حاصل نہیں ہو سکتی۔

اولیاء اللہ اپنے پیروکاروں کے قلب و دماغ اور رگ و ریشہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور بندگی کا ایسا داعیہ پیدا کرتے ہیں کہ ان کی نظروں سے ماسوئی اللہ معدوم ہو جاتا ہے اور وہ ہر لمحہ دل کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کرتے اور مشاہدۂ حق میں مشغول رہتے ہیں۔

میری یہ تینوں تقاریر بعنوان (۱) تصوف چیست؟ (۲) شانِ اولیاء، اور (۳) جوازِ بیعت جن کے مجموعہ کا نام میں نے ''عرفانِ حق'' رکھا ہے ان کو پڑھنے، سمجھنے اور غور کرنے سے تصوف کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ اولیاء کی محبت، عظمت، علوِ مرتبت بالخصوص ضرورتِ بیعت کا احساس دلوں میں جاگزیں ہوتا ہے۔ کھرے اور کھوٹے کا فرق، اصلی اور جعلی کا امتیاز، صحیح راہبر و مرشد کی پہچان اور شناخت کا طریقہ اور سلیقہ معلوم ہوتا ہے۔

نیز ان مضامین کا مطالعہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ آج گونا گوں مصائب و آلام اور پریشانیوں میں گھری ہوئی دنیا کے لے فلاح و نجات کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اوامر و نواہی کی پابندی اور سنتِ رسول ﷺ کے اتباع کے ساتھ اولیاء اللہ کے دامن سے وابستہ ہو جائیں جن کے بارے میں باری تعالیٰ جل شانہٗ کا ارشاد ہے:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَـآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَ لَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ○ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
وَ کَانُوْا یَتَّقُوْنَ○ لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَۃِ

عارف رومی علیہ الرحمۃ نے کیا خوب کہا ہے ؎

فیض حق اندر کمالِ اولیاء — نورِ حق اندر جمالِ اولیا
ہر کہ خواہد ہمنشینی باخدا — او نشیند در حضورِ اولیا
چوں شوی دوراز حضورِ اولیا — در حقیقت گشتۂ دو راز خدا

میری یہ تینوں تقاریر اپنے دادا پیر سلطان العارفین برہان الواصلین، سند الکاملین، شمع المقربین، سلطان الاولیاء حضرت خواجہ صوفی محمد حسن شاہ صاحب قدس سرہ العزیز کے عرس مقدس کی محافل (منعقدہ بمقام چلہ گاہ شریف موضع بہارگڑھ، ضلع مظفر نگر یو۔پی، انڈیا) میں ہوئی تھیں۔

اُن محافل میں میرے پیر و مرشد بدر الاماثل، سید الافاضل بحر العلوم ظاہری و باطنی،

معدنِ کرم، فرید العصر، شمس العارفین، زینت السالکین مرشدی و مولائی حضرت قبلہ الحاج خواجہ صوفی محمد خوشحال شاہ صاحب مدظلہ العالی اور میرے سلسلہ طریقہ کے عم محترم پیشوائے واصلین، مقتدائے عاشقین واقفِ رازِ حقیقت، دانائے سرِ وحدت، آشنائے رموزِ معرفت حضرت قبلہ الحاج صوفی محمد نقیب اللہ شاہ صاحب مدظلہ العالی بھی موجود تھے اور ان حضراتِ محترم نے ان تقاریر کو پسند فرمایا، اسی بناء پر ان تقاریر کو شائع کرنے کی جرأت کر رہا ہوں۔

آخر میں بارگاہِ رب العزۃ میں دست بدعا ہوں کہ باری تعالیٰ مجھ عاصی، ہیچ مداں اور جملہ مسلمانوں کو بالعموم اور طالبانِ حق اور تشنگانِ معرفت کو بالخصوص ان تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے، آمین بجاہ سید المرسلین طٰہٰ و یٰسین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

احقر العباد (حکیم) سید امین الدین احمد قادری جہانگیری خوشحالی عفی عنہ
خلف استاذ الاطباء مولانا حکیم سید شہاب الدین احمد صاحب مرحوم و مغفور

تقریظ

حضرت بدر الاماثل، سید الافاضل، بحر العلوم ظاہری و باطنی، معدنِ کرم، فرید العصر، شمس العارفین، زینت السالکین، مرشدی، مولائی و آقائی مولانا الحاج صوفی محمد خوشحال میاں صاحب دامت برکاتہم العالیہ چلہ گاہ شریف، مورنا، بہارگڑھ ضلع مظفرنگر، یو۔ پی انڈیا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین و العاقبۃ للمتّقین و الصّلوٰۃُ و السّلام علٰی سیّدنا و نبیّنا و حبیبنا و شفیعنا و مولانا محمدٍ وّ علٰی آلہٖ واصحابہٖ و ازواجہٖ و اھل بیتہٖ و اولیاءِ اُمّتہٖ اجمعین. اما بعد فقد قال اللّٰہ تعالٰی فی القرآن المجید، اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم "و یُزَکِّیْھِمْ"

مندرجہ بالا آیت شریفہ سے یہ بات صاف طور پر واضح ہو رہی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی بعثت کا ایک اہم منجملہ اور امور کے تزکیۂ نفس بیان کیا گیا ہے۔ اسی کا نام تصوف ہے جس کو ولایت کہیں یا معرفت، یہی خصوصیت مذہب کی روح، اخلاق کی جان اور ایمان کا کمال ہے جس کی اساس شریعت ہے اور جس کا سرچشمہ قرآن و حدیث ہے۔

اسی نظامِ تزکیۂ نفس و اخلاق اور سلوک کے پروردہ وہ حضرات ہیں جن کو اولیاء اللہ کہا جاتا ہے اور جن کی ساری زندگی میں کتاب و سنت کی عملی تصویر نظر آتی ہے۔

یہی وہ باکمال ہستیاں ہیں جن کی شان میں باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

بلاشبہ اللہ کے دوستوں کو نہ کوئی خوف ہے نہ غم۔

اور جن کے بارے میں سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ہے:

اِتَّقُوْا فراسۃَ المؤمنِ انہٗ ینظر بنور اللّٰہ

یعنی، مردِ مومن کی فراست سے ڈرو وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔

یہی وہ مقدس ہستیاں ہیں جن کے قلوب کو حق جل شانہٗ کا مقام کیا گیا ہے۔

حکیم سید امین الدین احمد کی یہ نورانی و عرفانی تالیف "عرفانِ حق" بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس میں تصوف کے حقائق و معارف...... اولیاء اللہ کی شان و عظمت...... اور جواز بیعت و ضرورت مرشد کو نہایت خوب پیرایہ میں قرآن و سنت کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ رب العزۃ اپنے حبیب پاک صاحبِ لولاک جناب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے صدقہ میں مؤلف کی اس سعی و کوشش کو منظور و مقبول فرمائے اور اس کتاب کو مقبولِ عوام و خواص فرمائے۔ آمین

محمد خوشحال

چلہ، بہارگڑھ، مظفرنگر (یو۔ پی)

تقریظ

حضرت پیشوائے واصلین، مقتدائے عاشقین، واقفِ رازِ حقیقت، دانائے سرّ وحدت، آشنائے رموزِ معرفت، عم محترم (فی الطریقت) قبلہ الحاج خواجہ فقیر صوفی محمد نقیب اللہ شاہ صاحب مدظلہ العالی قادری، سہروردی، چشتی، نقشبندی، ابوالعلائی آستانہ عالیہ نقیب آباد شریف تحصیل قصور، لاہور، پاکستان

الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین و الصلوٰۃ و السلام علٰی رسولہٖ مُحَمَّدٍ وّ علٰی آلہٖ و صحبہٖ و اھلِ بیتہٖ اجمعین

امابعد! رسولِ مقبول ﷺ کا لایا ہوا اسلام ایک ایسا متحرک، فعال اور کشادہ نظر مذہب ہے جس کی بنیاد ارکانِ خمسہ پر قائم ہے اور اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ وَ اِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر یہ نہ ہو سکے تو کم از کم یہ ضرور سمجھو کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔

یہ حدیث پاک ان ارکان میں روحانیت کا تصور پیدا کر کے مومن کو مرکزِ نظر کی

وحدت سے روشناس کراتی ہے، بزرگانِ دین نے اس تصور کی تحصیل کے لئے مختلف قسم کے اشغال متعین فرما کر اس راہ کو بہت آسان کر دیا ہے، لیکن یہ بات شیخ کامل سے وابستگی اور اس کے بتائے ہوئے طریقہ پر گامزن ہو کر ہی حاصل ہو سکتی ہے۔

جس طرح دیگر فنون کے حصول کے لئے لوگ کالجوں اور درسگاہوں میں داخلہ لے کر ان علوم وفنون کے اساتذہ سے با قاعدہ تحصیل علم کرتے اور جد وجہد کرتے ہیں اسی طرح تعلق باللہ قائم کرنے اور مشاہدۂ حق کے مرتبہ پر پہنچنا بغیر اہل اللہ کی صحبت ومعیت، ان کی رشد وہدایت اور ان کے فرمودہ طریقوں پر عمل کرنے کے کس طرح ممکن ہو سکتا ہے۔

حکیم سید امین الدین احمد قادری خوشحالی نے اپنی تالیف ''عرفان حق'' میں تصوف، حقیقت اور معرفت کو قرآن وسنت کی روشنی میں اولیاء اللہ کی شان وعظمت کے حوالے سے بڑی تفصیل کے ساتھ نہایت خوبصورت اور مدلل پیرایہ میں پیش کیا ہے اور آخر میں جوازِ بیعت یعنی کسی ولی کامل کے ساتھ نسبت قائم کرنے اور اس کے دامن سے وابستہ ہونے کی ضرورت اور اہمیت کو کلامِ پاک، آیاتِ مقدسہ، احادیثِ صحیحہ اور اقوالِ اولیاءِ کرام کی روشنی میں بیان کیا ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ کریم مؤلف کی اس سعی وکاوش کو اپنی بارگاہ میں منظور اور مقبول فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

دعا گو

صوفی نقیب اللہ شاہ

پیش گفتار

از محقق عصر حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ العالی،

حمد بے حد مر رسولِ پاک را   آنکہ ایماں داد مشتِ خاک را

مخدومی جناب حکیم سید امین الدین احمد شاہ مدظلہ العالی خلف الرشید استاذ الاطبا حضرت مولانا حکیم سید شہاب الدین احمد رحمۃ اللہ علیہ تلمیذ الرشید مسیح الملک حکیم حافظ محمد اجمل خان رحمۃ اللہ علیہ نے مخلوق خدا کی اصلاح وفلاح کی خاطر بہت سی دینی اور روحانی کتب تالیف کی ہیں جو اہلِ علم ودانش میں بیحد مقبول ہیں، چند ایک کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) اوامر ونواہی، (۲) آدابِ دین، (۳) تذکرۂ امام اولیاء حضرت علی ہجویری قدس سرہ، (۴) تذکرۂ صوفیہ نقشبندیہ، (۵) تذکرۂ حضرت منصور حلاج علیہ الرحمۃ وغیرہم

حضرت سید صاحب زید علمہٗ علمی دنیا کے علاوہ اہل صفا کے گروہ میں بھی جانی پہچانی شخصیت ہیں (ماشاءاللہ تعالیٰ) حضرت سید صاحب کے تین مقالات (۱) تصوف چیست؟، (۲) شانِ اولیاء، (۳) جوازِ بیعت، میرے پیش نظر ہیں۔

ادارہ معارفِ نعمانیہ شادباغ لاہور جو ان روحانی ونورانی تحریروں کو یکجا طور پر چھاپنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے، اس ادارہ کے ایک رکنِ رکین الحاج حافظ جناب محمد فیض صاحب قادری سلمہ نے فرمائش کی ہے کہ زیرِ نظر مجموعہ موسوم بہ ''عرفان حق'' کے آغاز میں کچھ لکھوں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب حکیم سید امین الدین احمد شاہ صاحب قادری جہانگیری خوشحالی کا نام نامی واسم گرامی آجاتا ہے تو کسی تعارف وتبصرہ کی ضرورت باقی نہیں رہتی، بہرحال ان مقالات کے موضوع کی مناسبت سے یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ ان مقالات کی افادیت واہمیت گزشتہ......امن زمانوں سے آج کہیں زیادہ ہوگئی ہے۔

صوفیہ کرام رحمہم اللہ انسان نما حیوانوں کی عاداتِ رذیلہ اور خصائلِ ناپسندیدہ کو زائل کر کے انہیں عظمت انسانیت اور احترام آدمیت کی تلقین فرماتے ہیں، بلکہ چرندوں اور پرندوں کے علاوہ درندوں پر بھی رحم کرنے کا درس دیتے ہیں اور ان کی تعلیماتِ مقدسہ سے

متاثر ہو کر انسان بندوں سے دست بردار ہو کر حق پرست ہو جاتا ہے، مختصر یہ کہ قوم کو درپیش شرمناک مسائل کا واحد حل تصوف اور تعلیماتِ صوفیہ ہی ہے، اس دور میں علماء حق کی طرح صوفیہ صافیہ بھی کمیاب ہو گئے ہیں، اس پُرفتن زمانے میں اولیاء اللہ کے مقامات وکمالات عالیہ ان کی تعلیمات سے آگاہی اور ان کے ذکر سعید سے بھی راہنمائی اور سکونِ قلب حاصل ہوتا ہے ۔

ذکر حبیب کم نہیں وصلِ حبیب سے

میری دعا ہے کہ اللہ رب العزت اپنے حبیبِ لبیب، محسنِ انسانیت، رحمۃ للعالمین ﷺ کے صدقہ میں فاضل مصنف کو اس روحانی تالیف پر وقت صَرف کرنے کا اجرِ عظیم عطا فرمائے اور ناشرین کو جزائے خیر سے نوازے، نیز قارئین کرام کو عمل کی توفیق نصیب فرمائے اور وہ مجسمۂ اخلاق بن کر تاسِم حسنات وخیرات نظر آئیں اور اس حقیر پُرتقصیر کے گناہ معاف ہوں اور اہل حق کے غلاموں کے ساتھ حشر ہو۔

آمین ثم آمین! بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

خاک راہ دردمنداں محمد موسیٰ عفی عنہ، لاہور

داتا کی نگری، ۲۲ محرم الحرام ۱۴۱۳ھ مطابق ۲۴ جولائی ۱۹۹۲ء

تقریظ

حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عبد اللطیف صاحب مجددی خطیب جامع مسجد حنفیہ غوثیہ شادباغ لاہور

فقیر نے رسالہ ''تصوف چیست'' اول تا آخر دیکھا، اپنے موضوع پر مختصر ہونے کے باوجود نہایت نفیس، دلائل سنیہ سے مزین، اہل نظر کی آنکھوں کی ٹھنڈک، غافلین کے لئے تنبیہ، منکر اگر تعصب سے بالاتر ہو کر مطالعہ کرے تو امید ہے کہ انکار چھوڑ دے۔

اللہ کریم مخدومِ اہلِ سنت حضرت حکیم سید امین الدین احمد شاہ صاحب مدظلہ کی سعی قبول فرمائے۔

محمد عبد اللطیف مجددی

تصوّف چیست ؟

غوثِ اعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ''صوفی وہ ہے جو اپنے مقصد کی ناکامی کو خدائے تعالیٰ کا مقصد جانے ، جو اپنی مراد کو مرادِ حق کے تابع کر دے اور ترکِ دنیا کر کے مقدرات کی موافقت کرنے لگے یہاں تک کہ وہ خادم بنے اور آخرت سے پہلے دنیا ہی میں وہ فائز المرام ہو جائے تو ایسے شخص پر خدا کی جانب سے سلام آنے لگے گا اور اس پر سلامتی نازل ہونے لگتی ہے''۔

حضرت ابو الحسن نوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تصوف کی یہ تعریف بیان کی ہے:
''اعتقاداتِ صحیحہ اور فرائض وسنن کی پابندی کے ساتھ تمام اخلاقِ رذیلہ سے علیحدگی اور جملہ اخلاقِ فاضلہ سے متصف ہونے کو تصوف کہتے ہیں''۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تمام تعلقات سے الگ تھلگ ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر رہنے کو تصوف کہتے ہیں۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ نفس کو لوازمِ عبودیت کی مشق کرانا ہی تصوف ہے۔

حضرت سرّی سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نہایت مختصر الفاظ میں تصوف کی یہ تعریف کی ہے کہ اخلاقِ حَسَنہ کا نام تصوف ہے۔

حضرت ابوحفص مدار نیشا پوری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ظاہر وباطن میں آدابِ شرعیہ کے ساتھ ہونے کو تصوف کہتے ہیں اس طرح کہ ان کا اثر ظاہر سے باطن اور باطن سے ظاہر پر پہنچ جائے۔

حضرت بشر بن الحارث رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے ساتھ صدق برتنے اور مخلوقات کے ساتھ خُلق برتنے کو تصوف کہتے ہیں۔

سید الاولیاء حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق اخلاق ومعاملات کو مہذب بنانے اور اپنے باطن کو شرک وکفر کی آلودگیوں اور نجاستوں سے پاک کرنے کا نام

تصوف ہے۔

لفظ صوفی کے ماخذ کے متعلق بھی اولیاء کرام کے نظریات مختلف ہیں، چنانچہ بشر الحارث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''صوفی وہ ہے جس کا دل اللہ تعالیٰ کی خاطر پاک و صاف ہو''۔ بعض کا قول ہے کہ انہیں صوفی اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ خدائے عز وجل کے حضور میں پہلی صف میں ہے۔ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کو صوفی اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ان کے اوصاف ان اہل صفہ کے اوصاف سے ملتے جلتے ہیں جو عہدِ رسالت میں تھے۔

کسی نے اس کو صفا سے مشتق کہا ہے تو کسی نے اس کا تعلق یونانی لفظ سوف سے جوڑا ہے جس کے معنی عرفان کے ہیں، ایک گروہ کہتا ہے اور اس رائے سے ابن خلدون بھی متفق ہیں کہ انہیں صوف پہننے کی وجہ سے صوفی کہا گیا ہے چونکہ حضور سید دوعالم ﷺ اون کی موٹی کھردری کملی اوڑھتے تھے اس لئے عاشقانِ رسول ﷺ نے بھی اسی لباس کو اختیار کیا۔

لفظ صوفی اور تصوف کی اصطلاح کی تاریخ کے متعلق بھی اقوال مختلف ہیں، اگر چہ بعض کا قول ہے کہ اسلام میں تصوف ایک زائدہ لفظ ہے اور صوفی کا لقب اہل بغداد کی ایجاد ہے مگر علامہ ابونصر عبداللہ بن علی السراج الطّوسی رحمۃ اللہ علیہ اس لقب کو اہل بغداد کی ایجاد نہیں سمجھتے بلکہ ان کو نہایت قدیم زمانہ میں اس کا سراغ ملتا ہے چنانچہ موصوف اپنی تصنیف منیف ''کتاب اللمع'' میں لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں یہ نام مشہور تھا جنہوں نے اصحابِ رسول ﷺ کی ایک جماعت کا زمانہ مبارک پایا تھا۔ موصوف یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ میں نے طواف کے دورانِ ایک صوفی کو دیکھا اور ان کو کچھ دینا چاہا تو انہوں نے نہیں لیا۔ نیز موصوف بیان کرتے ہیں کہ ایک کتاب جس میں اخبارِ مکہ جمع کئے گئے ہیں محمد بن اسحاق بن یسار رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے لوگوں سے روایت ہے کہ اسلام سے پہلے کسی وقت مکہ خالی ہو گیا تھا یہاں تک کہ کوئی شخص خانہ کعبہ کا طواف نہیں کرتا تھا اس وقت کسی دور دراز سے صرف ایک صوفی آتا تھا اور طواف کر کے واپس چلا جاتا تھا، پس اگر یہ روایت صحیح ہے تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قبل از اسلام یہ نام مشہور تھا اور اس کی طرف اہلِ اصلاح منسوب کئے جاتے تھے لیکن جہاں تک تاریخی روایتوں سے ثابت ہوتا ہے اسلا

میں سب سے پہلے ابو ہاشم صوفی کو یہ خطاب ملا جنہوں نے ۱۵۰ھ میں وفات پائی۔

امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ قشیریہ میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں صحابہ کے علاوہ اور کوئی لقب ایجاد نہیں ہوا، کیونکہ شرفِ صحبت سے بڑھ کر کوئی شرف نہیں ہوسکتا تھا، نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی صحبت کو وہ عظمت اور خصوصیت حاصل ہے کہ جس شخص کو یہ عزت حاصل ہو اس کو کوئی دوسرا خطاب جو اس سے بڑھ کر ہو نہیں دیا جاسکتا، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین زُہاد، عباد، متوکلین، فقرا، صوفیا، اہلِ رضا، اہلِ صبر اور اہلِ تواضع کے امام ہیں اور ان کو یہ رتبہ رسول اللہ ﷺ کے فیضِ صحبت سے حاصل ہوا، اس لے زمانۂ باسعادت میں مومن کے لئے کوئی لفظ صحابی سے زیادہ افضل نہیں ہوسکتا، چنانچہ اس وقت کے افاضل اسی لقب سے موسوم ہوئے اس کے بعد ان صحابیوں سے صحبت یافتہ حضرات کے تابعین کی اصطلاح وضع ہوئی، اور ان کی صحبت پانے والے تبع تابعین کہلائے۔

اس کے بعد جب امت زیادہ پھیلی تو بزرگانِ دین زاہد اور عابد کے نام اور لقب سے ممتاز ہوئے لیکن زہد وعبادت کا دعویٰ ہر فرقے کو تھا یہاں تک کہ اہل بدعت کو بھی تھا، اس وقت اہل سنت کے طبقۂ خاص نے جو ذکرِ الٰہی میں مشغول اور غفلتوں سے دور رہتا تھا اپنے لئے اہل تصوف کی اصطلاح قائم کی اور صوفی کہلائے اور یہ لقب دوسری صدی ہجری کے ختم ہونے سے پہلے رواج پاچکا تھا، لیکن بعض تنگ نظر حضرات زمانۂ باسعادت کے بعد ہونے کی وجہ سے اس طریقہ کو بدعت کہتے ہیں، اس اعتراض کے جواب میں مولانا عبد الماجد دریا بادی فرماتے ہیں: ''اگر تصوف، صوفی اور دوسری اصطلاحات بدعت کے لغوی مفہوم کے لحاظ سے بدعت ہی میں داخل سمجھی جائیں تو پھر تفسیر، اصولِ تفسیر، فقہ، اصول فقہ وکلام کے آج جو ماشاء اللہ دفتر کے دفتر موجود ہیں عہد رسالت میں یہ کہاں تھے اور سب کو جانے دیجئے براہ راست سنت رسول ﷺ ہی کو لیجئے آج حدیث کے متون ہی کا کتنا بڑا ذخیرہ موجود ہے، پھر ان کی شرحیں ہیں، ان کی تسہیل کے لئے مستقل لغات ہیں، رجال کا ایک مستقل فن ہے۔ احادیث کو جانچنے، پرکھنے، روائت ودرائت کے قانون اور ضابطے ہیں، سینکڑوں کی تعداد میں مصطلحاتِ فن ہیں، ظاہر ہے کہ عہد رسالت میں یہ نہ تھا، سرورِ عالم ﷺ کی سادہ اور روزمرہ کی گفتگو حدیث تھی اور آپ کا ہر چھوٹا بڑا عمل سنت تھا تو کیا اب کوئی اس بنا پر

حضرات محدثین کی ساری کاوشوں اور کوششوں کو بدعت کہہ دینے کی جرأت کرے گا۔

اسی طرح حضرات فقہاء کی ساری موشگافیاں، قیاس واجماع کی بحثیں، استقراء اور استنباط کا طریقہ، اجتہاد کے مسائل، عبارت واشارت اور دلالت النص کی قسمیں اور دلالت النص کی قسم کی سینکڑوں اصطلاحیں دورِ نبوی میں کہاں تھیں اور کیسے ہوسکتی تھیں تو کیا بخاری، مسلم، ترمذی، امام ابوداؤد کی طرح حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی، امام مالک وامام احمد رحمۃ اللہ علیہم اجمعین، مکی رحمۃ اللہ علیہ، ازواعی، شیبانی اور طحاوی رحمہم اللہ علیہم اجمعین کی جانفشانیوں کو بھی ضائع قرار دینے اور بدعت کے حکم میں لانے کی جرأت کر کے شریعت ہی کے ایک بہت بڑے حصہ سے انکار کردیا جائے گا؟ اور تو اور خود قرآن مجید اس مکتوبی شکل میں اعراب وعلاماتِ وقف سے مزین پاروں، صورتوں، رکوعوں اور آیتوں کے ساتھ مدوّن عہدِ رسالت میں یکجا کہاں موجود تھا؟ آگے چل کر مولانا عبد الماجد دریابادی مزید فرماتے ہیں: غرض یہ کہ جو حال فقہ، حدیث، تفسیر اور جملہ علوم شرعی ظاہری کا ہے کچھ ایسا ہی حال علوم باطن یعنی سلوک وتصوف کا ہے۔ عہد نبوی میں بے شک نہ لفظِ تصوف رائج تھا نہ صوفی نہ ذکر وشغل، حال ومقام، مکاشفہ اور مراقبہ کی وہ سینکڑوں اصطلاحیں مروج تھیں جن سے کتبِ فن لبریز ہیں لیکن خود مرشد اور شیخ اور بیعت ومترشد بھی اس اصطلاحی معنی میں خود فن حدیث ہی کہاں موجود تھا نہ کوئی اسماء الرجال کے نام سے آشنا تھا، نہ جرح وتعدیل کے اصول وضوابط سے نہ ضعیف اور موضوع، متواتر اور مشہور، صحیح اور حسن کی اصطلاحیں مقرر ہوئی تھیں۔

لیکن اگر لفظ واصطلاح کی بحث سے گزر کر نفسِ حقیقت اور اصل مدعا پہنچنا مقصود ہے تو جس طرح صحابی رضی اللہ عنہ یا بزمِ رسول ﷺ کا صحبت یافتہ اور دربارِ رسول ﷺ کا حاضر باش اپنی اپنی جگہ اور اپنے اپنے درجۂ ظرف وبساط اور استعداد کے موافق مفسر، محدث، فقیہ، اور متکلم تھا اسی طرح اور اسی نسبت سے صوفی اور سالک بھی تھا، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم مریدین ومسترشدین تھے اور ان سب کے شیخ اور مرشد وہی جو ساری دنیا کے لئے معلم ومزکی ومطہر ہوکر آئے تھے۔

بہر حال لغت کے اعتبار سے تصوف کی اصل خواہ صوف ہو اور حقیقت کے لحاظ سے اس کا

رشتہ جا ہے صفا سے ملتا ہو اس میں شک نہیں کہ یہ دین کا ایک اہم جزو ہے جس کی اساس خلوص فی العمل اور خلوص فی النیت پر ہے اور جس کی غایت تعلق مع اللہ اور حصولِ رضاءِ الٰہی ہے۔

یہ تو اس دور کی سنت ہے جب سرورِ کائنات فخر موجودات ﷺ غارِ حرا میں بیٹھ کر ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے، اس غارِ حرا میں تصوف کا جو مقدس پودا لگایا گیا تھا وہ حضور پاک ﷺ کی متبرک تعلیمات کے ساتھ ساتھ پروان چڑھتا رہا اور ایک تناور درخت بن کر صبر و شکر، عزیمت واستقامت، اخلاصِ نیت، اطاعتِ الٰہی اور اتباعِ سنت کی صورت میں برگ دیار لایا اور اس عظیم الشان درخت کی ٹھنڈی اور گھنی چھاؤں میں لاکھوں بلکہ کروڑوں انسانوں کو سکونِ دل اور اطمینانِ قلبی میسر آیا۔

تصوف کے معنی تزکیہ نفس اور جلائے قلب کے ہیں اور اگر کلام پاک کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ نتیجہ بآسانی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد ہی نفوسِ انسانی کا تزکیہ ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ کی بعثت کے لئے جو دعا فرمائی اسکا مقصد یہی بیان فرمایا: ''اے رب ہمارے! تو ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیج جو کہ ان کو تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے، اور ان کا تزکیہ نفس کرے، بے شک تو غالب حکمت والا ہے''۔

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہوئی اور حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام آخری نبی کی حیثیت سے اس دنیا میں تشریف لائے تو اس کی غرض و غایت بھی اللہ تعالیٰ نے یہی بیان فرمائی:

اور جیسا کہ ہم نے تم میں ایک رسول تمہی میں سے بھیجا جو تم کو ہماری آیتیں سناتے ہیں اور تمہارا تزکیۂ نفس کرتے ہیں۔

اسی طرح سورہ جمعہ میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کی غرض و غایت بیان فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے بنی اسمٰعیل پر ان الفاظ میں احسان کا اظہار فرمایا:

وہ خدا ہے جس نے امیوں یعنی بنی اسمٰعیل میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کا تزکیہ کرتے ہیں۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کا اصل مدعا اس چیز کو قرار دیا گیا:

فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکش ہو گیا ہے اور اس سے کہو کہ ہے تیرے اندر کچھ رغبت کہ تو تزکیہ حاصل کرے۔

نیز قرآن مجید اس بات پر شاہد ہے کہ آخرت میں انسان کی نجات و فلاح کا انحصار تزکیہ نفس پر ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اس نے ہی فلاح پائی جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا اور وہ نامراد ہوا جس نے اس کو معصیت میں چھپایا۔

اسی طرح دوسری جگہ فرمانِ خداوندی ہے:

اس نے فلاح پائی جس نے تزکیہ حاصل کیا۔

اس تزکیۂ نفس کے متعلق حضور سید عالم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: ''خبردار! انسان کے جسم میں ایک لوتھڑا ہے اگر اس کی اصلاح ہو گئی تو تمام جسم کی اصلاح ہو گئی اگر وہ خراب ہو گیا تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے اور خبردار! وہ لوتھڑا قلب (دل) ہے''۔

یہ حدیث پاک بتاتی ہے کہ انسان کی اصلاح دل کی پاکیزگی سے ہوتی ہے اور دل کی پاکی اللہ تعالیٰ کی ہدایتوں پر اسوۂ حسنہ کی روشنی میں عمل سے ہوتی ہے اور دل کی پاکی یہ ہے کہ مومن کی ہر حرکت و سکون اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف نہ ہو اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق ہو۔

عبادت کا یہی جامع مفہوم ہے کہ پوری زندگی اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں بسر کی جائے اور اصل میں عبادت کا مقصد تزکیہ نفس اور تطہیر قلب ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اے لوگو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس نے تم کو پیدا کیا اور ان لوگوں کو بھی جو تم سے پہلے گزرے ہیں تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

مندرجہ بالا آیاتِ مقدسہ اور احادیث سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ تزکیۂ نفس جو تصوف کی اصل اور روح ہے یہی تمام دینِ شریعت کی غایت اور تمام انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا حقیقی مقصود ہے اور دین میں جو اہمیت اس چیز کو حاصل وہ کسی اور چیز کو میسر نہیں، دوسری چیزیں ذرائع اور وسائل کی حیثیت رکھتی ہیں اور تزکیۂ نفس غایت و مقصد کی حیثیت کی حامل ہے۔

دوسرے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تصوف کہیں یا تزکیہ نفس اس کا سرچشمہ اور منبع و مصدر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ ہے، اس کی تعلیم سے تزکیہ کا آغاز ہوتا ہے اور پھر اسی کے حقائق و دقائق اور اسرار و رموز ہیں جو نبی اکرم ﷺ کے ذریعہ اور وسیلہ سے واضح ہو کر تزکیہ کی تکمیل کرتے ہیں۔

شیخ سراج رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''کتاب اللمع'' میں ظاہری اور باطنی علوم کے متعلق تحریر فرماتے ہیں: علم کی دو قسمیں ہیں، ظاہری اور باطنی جب تک اس (علم) کا تعلق زبان اور اعضاء سے ہوتا ہے اسے علم ظاہر سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کا نام شریعت ہے مثلاً عبادات میں طہارت، نماز، روزہ، زکوۃ، حج وغیرہ یا احکام میں طلاق، فرائض اور قصاص وغیرہ۔

جب اس کا اثر ظاہر سے گزر کر قلب و باطن تک محیط ہو جاتا ہے تو اس کو علم باطن کہتے ہیں یا طریقت سے موسوم کرتے ہیں، یہاں عبادات و احکام کے بجائے مقامات و احوال کی اصطلاحات رائج ہیں مثلاً تصدیق، اخلاص، صبر، تقویٰ، توکل، محبت اور عشق وغیرہ اور اس تفریق کی سند قرآن مجید سے ملتی ہے، ارشاد ہوتا ہے:

وَ اَسْبَغَ عَلَیْکُمْ نِعَمَہٗ ظَاھِرَۃً وَّ بَاطِنَۃً ط (لقمان)

مندرجہ ذیل حدیث شریف سے طریق تصوف کی اصل ثابت ہے، حدیث جبرائیل علیہ السلام جو بخاری اور مسلم کی روایت سے مشکوۃ شریف کی شروع میں کتاب الایمان میں منقول ہے جس کے مبارک الفاظ یہ ہیں:

عن عمر الخطاب رضی اللہ عنہ قال بینما نحن عند رسول اللہ ﷺ ذات یوم اذ طلع علینا شدید البیاض الثیاب قال اخبرنی عن الاحسان قال ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک (مشکوۃ شریف، کتاب الایمان، حدیث اول)

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز ہم رسول اللہ ﷺ کے حضور میں حاضر تھے کہ ناگاہ ایک شخص مسافرانہ شکل میں بڑے سفید کپڑوں والا آیا اور اسلام کی بابت سوال کر کے یہ سوال کیا

یا حضرت! احسان کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ تو اللہ عبادت اس طرح کیا کر گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے اور اگر تو اس کو نہیں دیکھ رہا ہے تو کم از کم یہ بات ذہن نشین رکھ کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: شریعت اور طریقت بالکل ایک ہی ہیں ایک دوسرے سے جدا نہیں، فرق صرف اجمال اور تفصیل کا ہے اور استدلال اور کشف کا ہے یعنی جو بات ظاہری علوم شرعیہ میں بالاجمال اور بالاستدلال ملتی ہے وہی طریقت میں بالتفصیل اور مشاہدہ سے نظر آتی ہے۔ (جلد اول، مکتوب ۸۴)

ایک شخص نے خواجۂ خواجگان حضرت بہاؤ الدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ سیر و سلوک یعنی تصوف سے کیا مطلب ہے آپ نے ارشاد فرمایا ''اجمالی معرفت تفصیلی ہو جائے اور جو امر عقلی یا نقلی دلیل سے سمجھا جائے وہ کشفی طور سے مشاہدہ میں آجائے''۔ ایک دوسرے مقام پر موصوف نے فرمایا درمیان علماء اور صوفیہ کے اتنا ہی فرق ہے کہ علماء استدلالاً اور علماً جانتے ہیں اور صوفیہ کشفاً اور ذوقاً پا لیتے ہیں۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''ہمارا سارا طریقہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کا پابند ہے جو شخص کلام الٰہی کا حافظ اور احادیث رسول ﷺ کا عالم نہیں اس کی تقلید طریقت کے باب میں درست نہیں چونکہ ہمارے اس سارے علم سلوک کا ماخذ قرآن و حدیث ہیں۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''عوارف المعارف'' میں فرماتے ہیں: ''تصوف نام ہے قولاً فعلاً ہر حیثیت سے اتباع رسول ﷺ کا اور اس پر مداومت سے جب اہل تصوف کی نفوس مقدس ہو جاتے ہیں، حجابات اٹھ جاتے ہیں اور ہر شے میں اتباع رسول ﷺ ہونے لگتا ہے تو حق تعالیٰ ان سے محبت کرنے لگتا ہے''۔

حضرت شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں 'صوفی وہ ہے جو اپنے نفس سے فانی ہو کر حق میں زندہ اور باقی ہو اور مادیت سے گزر کر حقیقت تک رسائی حاصل کر چکا ہو۔

حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کو خواہشات پیدا نہیں

ہوتیں، آپ نے فرمایا کہ میری سب سے بڑی خواہش یہ رہتی کہ رات ہونے تک دن خیر سے گزر جائے، لوگوں نے کہا کہ دن تو خیریت سے گزرتے ہی رہتے ہیں ارشاد ہوا کہ ''میں خیریت اسے کہتا ہوں کہ اس روز معاصی کا ارتکاب نہ ہو''۔

شریعت کی تعلیم کے ساتھ تزکیہ نفس (سلوک و معرفت) کی تعلیم بھی نہایت ضروری اور لازمی ہے، اسی بنا پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے تزکیۂ نفس کی تعلیم کا خاص طور پر انتظام فرمایا چنانچہ مسجد نبوی سے متصل ایک وسیع دالان اس کام کے لئے مخصوص فرمایا گیا اور چند وہ لوگ منتخب کئے گئے جن میں طلبِ صادق کے ساتھ ذوق بھی تھا اور یہ جماعت درسِ قرآن کے ساتھ اصلاحِ باطن میں مصروف رہی، جو لوگ قرآن مجید کے مفہوم ومعانی کو حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سمجھ لیتے اور کتاب اللہ کے مطالب وحقائق سے آگاہ ہو جاتے اور مجاہدات و ریاضت کے مراحل کو طے کر تعلیماتِ اسلامی کا کامل نمونہ بن جاتے وہ اصحابِ صفہ کہلاتے تھے۔

زمانۂ باسعادت میں چار سو اصحابِ صفہ نے فراغت حاصل کی ان میں اکثر کی میزبانی خود حضور اکرم ﷺ فرمایا کرتے تھے اور بعض اصحابِ ثروت واستطاعت بھی ان کی ضیافت کیا کرتے تھے۔

انہیں اصحاب صفہ میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے سپرد یہ کام تھا کہ جو امداد ان لوگوں کے لئے آتی اس کی حفاظت اور تقسیم کا انتظام فرماتے۔ اصحاب صفہ کی زندگی عبادت، تعلیم قرآن وحدیث، اور آنحضرت ﷺ سے تربیت حاصل کرنے کے لئے وقف تھی، اُن کا سرمایۂ حیات صبر وتحمل، عزتِ نفس، ریاضت ومجاہدہ اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر فدا ہو جانا تھا، اس خوش قسمتی کا کیا کہنا کہ اپنا بہت زیادہ وقت اس نور مجسم ﷺ کے صحبت میں گزارتے تھے۔

امام ابوبکر ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ انہیں اصحاب صفہ کے متعلق فرماتے ہیں ''یہ لوگ بظاہر اجسام ہیں مگر روحانی ہیں، زمین پر ہیں مگر آسانی ہیں، یہ مخلوق کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی ربانی ہیں، خاموش ہیں مگر سب کچھ دیکھتے ہیں، غائب ہیں مگر بارگاہ رب العزۃ میں حاضر ہیں، ان کے باطن صاف ہیں، صاحبِ صفا ہیں، صوفی ہیں، نوری ہیں، برگزیدہ اور

مخلوق میں اللہ کی امانت ہیں، یہی لوگ نبی مکرم ﷺ کی زندگی میں ان کے اہلِ صفہ تھے اور آپ کے وصال کے بعد آپ کی امت کے بہترین لوگ''۔

اکثر اہل صفہ اون کا لباس پہنتے تھے اس لئے بعض محققین کا خیال ہے کہ صوف کی طرف نسبت سے ان کو صوفیہ کہا گیا، پھر جس نے بھی اصحاب صفہ کی روش اختیار کی اس کو صوفی کہا جانے لگا، تصوف کے علم وعمل کو اس لئے اختیار کیا گیا کہ اس سے نفس میں تزکیہ اور قلب میں جلا پیدا ہوتی ہے اور اخلاقِ عالیہ حمیدہ مثلاً ارادہ ونیت، اخلاص، اُنس، تبلیغ، تفکر، تفویض، تقویٰ، تواضع، توکل، خشوع، خوف، دعا، رجا، رضا، زہد، شکر، شوق، صبر، صدق اور محبت کی حقیقتوں سے آگاہی اور اخلاقِ ذمیمہ رذیلہ مثلاً آفاتِ لسان، کذب، غیبت، اسراف، بخل، بغض، تکبر، حُبِ جاہ، حُبِ دنیا، حرص، حسد، ریا، شہوت، عُجب اور غضب سے نجات حاصل ہوتی ہے اور یہ مقاصد نہ تو صرف تفسیر وحدیث پڑھنے سے حاصل ہوتے ہیں اور نہ رسمی طور پر اوامر ونواہی کی پابندی سے میسر آسکتے ہیں، یہ مقصد کسی شیخ کامل کی صحبت اور اس کی رشد و ہدایت ہی سے حاصل ہوتا ہے جب ایک سالک تمام آدابِ سلوک کا عملی طور پر پابند ہو کر مجاہدہ اور ریاضت میں اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ صَرف کرتا ہے تو شیخ طریقت کے فیضان سے اس کا دل مزکّی ہو جاتا ہے اور اسرارِ غیب اُس پر منکشف ہوتے اور زبان حقائق عُلیہ کی ترجمانی کرتی ہے۔

صاحبِ کتاب اللمع لکھتے ہیں کہ قرآن مجید کے الفاظ، مقربون، صادقین، متوکلین، مخلصین، سارعین الی الخیرات، اولیا، ابرار اور شاہدین سے صوفیہ ہی مراد ہیں اور اہلِ طریقت کی حقانیت پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت خضر علیہ السلام سے یوں مستدعی ہونا:

هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا (پارہ۱۵، سورۃ الکہف)

ترجمہ: آیا میں آپ کی پیروی کروں اس شرط پر کہ آپ اپنے خداداد علم سے مجھے اصلاح وتقویٰ کی تعلیم دیں۔

یہ کسی دنیاوی غرض پر مبنی نہ تھا لہٰذا جس طرح علم شریعت کا حاصل کرنا فرض ہے اسی

طرح علم حقیقت ومعرفت کا حاصل کرنے بھی فرض ہے۔

صوفیا، اولیاء اللہ، ابدال واقطاب کا وجود موجبِ برکات اور وسیلۂ نجات از عذاب ہونا مندرجہ ذیل حدیث پاک سے ثابت ہے:

عن شریح بن عبید رضی الله عنه قال ذکر اهل الشام عنه علی رضی الله عنه و قیل العنهم ...... امیر المؤمنین قال لا انی سمعت رسول الله ﷺ یقول الا بدال یکونو ن بالشام و هم اربعو ن رجلاً کلما مات رجل ابدال الله مکانه رجلاً یسقیٰ بهم الغیب و ینتصر بهم علی الاعداء و یصرف من اهل الشام بهم العذاب (رواہ احمد ومشکوٰۃ شریف، صفحہ ۵۷۵)

یعنی، حضرت شریح بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روبرو اہل شام کا ذکر آیا، کسی نے کہا اے امیر المؤمنین! ان پر لعنت فرمائیے، فرمایا: نہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، فرماتے تھے کہ ابدال (جو ایک قسم ہے اولیاء اللہ کی) شام میں رہتے ہیں اور ان کی تعداد چالیس ہیں جب کوئی شخص ان میں سے وفات پا جاتا ہے تو اس کی جگہ دوسرا شخص بدل دیا جاتا ہے، فرمایا ان کی برکت سے بارش ہوتی ہے اور اُن کی برکت سے اعداء پر غلبہ ہوتا ہے اور ان کی برکت سے اہل شام سے عذاب ہٹ جاتا ہے۔

اس حدیث شریف کی تفصیل وتوضیح میں مطلع انوار، منبع اسرار، ترجمانِ حقیقت، جامع شریعت وطریقت، سرورِ جملہ اقطاب محرمِ جمیع ابواب حضرت شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہم المعروف بہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پاک ہستیوں کو اپنی دوستی اور ولایت کے لئے مخصوص کرلیا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی ملک کے والی بنائے گئے ہیں اور اُن کو اپنے افعال وقوت کا مظاہر بنایا ہے اور انواع واقسام کی کرامتیں اُن کی ذات کے ساتھ مخصوص ہیں اور آفاتِ طبع وہوئی سے اُن کو پاک کر دیا ہے اور نفس کی پیروی سے انہیں

آزاد کردیا ہے، ان کی ہمت اور ارادے سوائے معیتِ قوتِ الٰہی کے ظہور میں نہیں آتے، اور ان کے انس ومحبت کا رابطہ سوائے اس فعالِ مطلق کے کسی کے ساتھ نہیں۔

وہ فرامین مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے ساتھ ایسے مجرد ہیں کہ متابعت نفس کی راہ ان پر مسدود ہے حتی یہ بارانِ رحمت جو آسمان سے نازل ہوتی ہے وہ ان کے دم قدم کے صدقہ سے ہے اور زمین سے جو سبزہ اُگ رہا ہے وہ ان کی صفاء حال کی برکت سے اُگ رہا ہے اور کافر پر مومن کا غلبہ انہیں کی ہمت سے حاصل ہے۔

اور اس قسم کے اولیاء کرام چار ہزار کی تعداد میں لوگوں سے مختوم ومخفی ہیں اور ایسے مخفی ہیں کہ ایک دوسرے کو نہیں پہچانتے اور خود وہ اپنے جمال وحال سے بےخبر ہیں اور اپنے تمام احوال میں اپنے سے اور مخلوق سے مستور ہیں اور اس دعوے کے ثبوت میں احادیث بھی وارد ہیں اور اب سے قیامت تک رہیں گے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امتِ مرحومہ کو یہ شرف عطا فرمایا ہے اور اس امت کی شرافت کو تمام امتوں پر فائق کرکے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ میں شریعتِ مطہرہ محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی نگرانی رکھوں گا۔

تو جب براہین حدیث اور عقلی حجتیں آج تک موجود ہیں اور علماء میں وہ عام طور پر شائع ہیں تو یہ بھی ضروری ہے کہ براہینِ عین بھی موجود ہوں تو اولیاء کرام ہیں اور خاصانِ بارگاہ میں مخصوص ہوتے ہیں۔

لیکن ان چار ہزار اولیاء کرام میں جو اربابِ حل وعقد ہیں وہ تین سو نفوسِ قدسی ہیں جنہیں اصطلاحِ تصوف میں اخیار کہتے ہیں اور چالیس ہستیاں ہیں جنہیں ابدال کہتے ہیں اور سات وہ ہیں جنہیں ابرار کہتے ہیں چار وہ ہیں جنہیں اوتاد کہتے ہیں، تین وہ ہیں جنہیں نقیب کہتے ہیں، ایک وہ ہے جو قطب کہلاتا ہے، اور اسے غوث بھی کہتے ہیں اور یہ تمام ایک دوسرے کو جانتے اور پہچانتے ہیں اور نظامِ معاملات وامورِ تصرف میں ایک دوسرے کے اذن واجازت کے محتاج ہیں اور اس پر احادیث ناطق ہیں اور اربابِ حقیقت اس بات کی صحت پر متفق ہیں۔ (کشف المحجوب، چودھواں باب، اثباتِ ولایت، صفحہ ۳۹۲، مطبع اسلامک بک فاؤنڈیشن ۲۴۹، این، سمن آباد، لاہور، مترجم: مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

قیومِ اول حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی سرہندی قدس سرہ العزیز نے فرمایا: ''اولیاء

اللہ کے منصب یہ ہیں: اول قطب الاقطاب، دوسرے درجے ہر فرد، تیسرے درجہ پر غوث اور پھر قطبِ مدار لیکن غوث اور قطبِ مدار کو ایک ہی جانتے ہیں، چار اوتاد ہیں، چالیس ابدال، ان کے بعد نجبا، نقبا، شرفا اور رجال الغیب کا درجہ ہے۔ (روضۃ القیومیہ مؤلفہ حضرت خواجہ محمد احسان مجددی سرہندی، صفحہ ۹۶، مکتبہ نبویہ، لاہور)

اس کے علاوہ مندرجہ ذیل حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندوں یعنی اولیاء اللہ کی شان وعظمت، ان کی رفعت وعلوم مرتبت بڑے واضح طور پر بیان فرمائی ہے ''فرمایا میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میری طرف ہمیشہ نزدیکی حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اُسے اپنے محبوب بندہ لیتا ہوں اور جب میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور میں اس کی آنکھیں ہو جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے اور میں اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اور میں اس کے پاؤں ہو جاتا ہوں جن سے چلتا ہے، اس طرح بندہ صفاتِ الٰہیہ کا مظہر بن جاتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے نورِ سمع سے سنتا ہے، اس کے نورِ بصر سے دیکھتا ہے، اُسی کے نورِ قدرت سے تصرف کرتا ہے اور مظہر نورِ خدا ہو جاتا ہے اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ وہ خدا ہو جاتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے صفاتِ نوری کا پرتو اور مظہر ہو کر کمالِ بندگی کے اس مقام پر فائز ہوتا ہے جس کے لئے اس کی تخلیق ہوئی ہے، بندہ اپنی انانیت کو اپنے رب کی بارگاہ میں ریاضت ومجاہدہ کے ذریعہ فنا کر دیتا ہے اور صفاتِ الٰہیہ سے منور ہو کر مظہرِ صفات ہو جاتا ہے۔

باقی تصرفاتِ تکوینیہ اور کراماتِ اولیاء قرآن مجید میں مندرجہ ذیل واقعہ ''تختِ بلقیس'' میں مذکور ہیں، ارشادِ ربانی ہے:

قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ

(پ۱۹، سورۃ نمل)

ترجمہ: حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا اے درباریو! تم میں کون ہے کہ وہ اس کا تخت میرے پاس لے آئے قبل اس کے کہ وہ میرے حضور مطیع ہو کر حاضر ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ملکہ بلقیس کا تخت سونے کا بنا ہوا تھا اس کے پائے جواہرات کے تھے اور تیس مربع گز لمبا اور چوڑا تھا اور اس قدر اس کی اونچائی تھی اور یمن سے اس جگہ تک کی مسافت جہاں تخت رکھا ہوا تھا سولہ سو میل سے زیادہ تھی۔

سیدنا وس..... حضور غوث اعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی تصنیف مبارک غنیۃ الطالبین میں اس واقعہ کی تشریح تفسیر اور تفصیل اس طرح بیان فرمائی ہے۔ (غنیۃ الطالبین (عربی)، صفحہ ۱۹۴، مطبوعہ مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور)

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اہل ملک کو جمع کیا اور ان سے فرمایا کہ تمہاری جماعت میں کون ایسا شخص ہے جو بلقیس کا تخت قبل اس کے کہ وہ مع اپنی جامع کے میرے پاس آ کر داخل اسلام ہو، یہاں لے آئے چونکہ صلح کے بعد مجھ کو اس کا تخت لینا حلال نہیں، ایک خبیث جن نے جس کا نام عمرو اور وہ دوسرے جنوں سے زیادہ سخت تھا، عرض کیا کہ قبل اس کے کہ آپ اپنے مقام عدل وانصاف سے اٹھیں اور معمولاً یہ وقت دوپہر تک ہوتا تھا اور کہا کہ میں اس تخت کو لانے کی طاقت رکھتا ہوں اور امانت دار بھی ہوں یعنی اس تخت کو مع جواہرات کے جو اس میں جڑے ہوئے ہیں باحتیاط اور بغیر خیانت کے اسی طرح آپ کے پاس پہنچا دوں گا اور کہا کہ مجھ میں یہ طاقت ہے کہ جہاں تک میری نظر کام کر سکتی ہے وہاں تک میرا ایک قدم پہنچتا ہے پس میں تخت کو آپ کے پاس لے آتا ہوں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ تجھ سے بھی تیز اور جلد باز شخص میں تخت کے لانے کے واسطے چاہتا ہوں پھر ایک دوسرے شخص نے جو اسم اعظم جانتا تھا (اور اسم اعظم خداوند تعالیٰ کے یہ دو نام ہیں ''یا حی یا قیوم'') عرض کیا کہ میں اپنے پروردگار کی بارگاہ میں دعا کرتا ہوں اور پھر قصد کرتا ہوں اور خدا کی کتاب میں دیکھتا ہوں پس میں اس تخت کو قبل اس کے آپ کے پاس لے آؤں گا کہ آپ کی نظر آپ کی طرف پھرے، اور اس شخص کا نام آصف بن برخیا بن شعبا تھا اور اس کی ماں کا نام باطورا تھا اور وہ بنی اسرائیل کی قوم سے ہے اور وہ اسم اعظم جانتا تھا اور وہ جو اس نے کہا کہ قبل اس کے کہ آپ کی نظر آپ کی طرف لوٹے اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے میں تخت کو آپ کے پاس لے آؤں گا، سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ اگر تو نے یہ کام کیا تو کامیاب ہو جائے گا۔

آصف کھڑا ہوا، وضو کیا، سجدہ کیا اور اسم اعظم پڑھ پڑھ کر دعا مانگتا تھا اور یا حی یا قیوم کہتا جاتا تھا، حضرت مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ نام جس کے پڑھنے سے دعا قبول ہوتی ہے اور جس کے وسیلے سے مراد حاصل ہوتی ہے ''یا ذا الجلال والاکرام'' ہے۔

راوی کہتا ہے کہ بلقیس کا تخت زمین کے نیچے پوشیدہ ہوا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی کے نزدیک ظاہر ہوا جس پر حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے پاؤں بڑی کرسی پر بیٹھ کر رکھا کرتے تھے۔

نوٹ: مندرجہ بالا مضمون سے پیشتر حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیان میں فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے دوسرا نامہ بلقیس کو لکھا اور ہدہد کو دیا اور فرمایا کہ یہ نامہ بلقیس کو دو اور کہہ دو کہ ہم ایسے جرار لشکر سے ان پر چڑھائی کریں گے کہ وہ ہرگز ہم سے مقابلہ کی تاب و طاقت نہ رکھیں گے اور ان کو ان کے شہر سے نکال دیں گے اور ان کو ذلیل و خوار کریں گے اور وہ ہمیشہ ذلیل و خوار رہیں گے، جب ہدہد نے دوسری مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا نامہ بلقیس کو پہنچایا اس نے پڑھا اور قاصد بھی واپس آئے اور انہوں نے جو کچھ دیکھا تھا، بیان کیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو جواب دیا تھا وہ بھی عرض کیا، بلقیس نے اپنی قوم سے کہا کہ معاملہ آسانی ہے اس کی مخالفت کرنا اچھا نہیں اور ہم اس کے مقابلے کی طاقت نہیں رکھتے، اس کے بعد بلقیس اپنے تخت کی طرف آئی اور اپنے تخت کو سات گھروں کے پیچھے چھپوا دیا اور اس کی نگہبانی کے لئے پاسبان مقرر کئے۔ اور خود حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف روانہ ہوئی۔

آگے چل کر حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں (غنیۃ الطالبین، صفحہ ۱۹۷)
''حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس سے پوچھا کہ تمہارا تخت ایسا ہی ہے جیسا کہ یہ رکھا ہے بلقیس نے اس کی طرف دیکھا کچھ پہچانتی کچھ نہ پہچانتی اور اپنے دل میں سوچتی کہ یہ وہ تخت یہاں کہاں سے آگیا وہ تو سات گھروں کے عقب میں پوشیدہ ہے۔ اور نگہبان و پاسبان اس پر متعین ہیں، آخر کار اس نے پہچان لیا اور کہا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تخت وہی ہے''۔
اس واقعہ کو بیان کرنے کا اور وہ بھی حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تشریح و تفسیر

کی روشنی میں مقصد اور مدعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ولی کو اللہ نے یہ طاقت اور قوت عطا فرمائی ہے کہ وہ تخت جو اس قدر حفاظت اور پہروں میں رکھا گیا تھا آصف بن برخیا نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی پلک جھپکنے سے پہلے لا کر پیش کر دیا۔

یہ تو واقعہ ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت کے اولیاء کرام کا اور سید الانبیاء حضور ﷺ جو سرتاج پیغمبراں ہیں، منبع ولایت اور سرچشمۂ معرفت ہیں، ان کی امت کے اولیاء کا کیا مرتبہ اور مقام ہوگا۔

تصوف اور معرفت ایسا بحر ذخار اور بے پایاں سمندر ہے جس کا کوئی حد و حساب نہیں ہے اگر دفتر کے دفتر اس موضوع پر لکھے جائیں تو بھی یہ مضمون تشنۂ تکمیل رہے گا، پس مختصر یہ ہے کہ اوامر و نواہی کا پابند ہونا شریعت ہے اور اوامر و نواہی کی روشنی میں ضمیر کی صفائی، اخلاق کی تطہیر اور نفس کے تزکیہ کا نام طریقت ہے اور ما سوی اللہ تعالیٰ سے منقطع ہو کر روح میں تجلی پیدا کرنا حقیقت ہے، اس طرح شریعت سے طریقت اور طریقت سے حقیقت حاصل ہوتی ہے۔

از طاعتِ الٰہی دیدم جمالِ احمد ﷺ
وز حُبِ مصطفائی دریا فتم خدا را

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّ هَيِّءْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا

مرتبہ

حکیم سید امین الدین احمد قادری جہانگیری خوشحالی

مؤلف

تذکرہ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ تذکرہ صوفیہ نقشبندیہ رحمہا اللہ تذکرہ منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ

اولیاءاللہ کی شان وعظمت

اولیاء اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے دوستوں کی عظمت ورفعت اور ان کی شان وشوکت خود خداوندقدوس جل وعلیٰ نے اپنے کلام مقدس میں اس طرح بیان فرمائی ہے:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَ لَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ○ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ کَانُوْا یَتَّقُوْنَ ○ لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَۃِ ط لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمَاتِ اللّٰہِ ط ذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ

ترجمہ: سن لو! بے شک اللہ کریم کے ولیوں کو نہ کچھ خوف ہے نہ غم، یہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور متقی ہیں، ان کے لئے خوشخبری ہے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں، اللہ تعالیٰ کے کلمات بدل نہیں ہوسکتے، یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

جس مضمون کے منکرین موجود ہوں اس کو قرآن مجید میں تاکیدی حروف سے شروع کیا جاتا ہے، مثلاً اَلَآ اور اِنَّ ہے، جس درجہ کا انکار ہو اسی درجہ کی تاکید کی جاتی ہے یہ مضمون بھی اپنے مضمون کے اعتبار سے بہت اہم ہے، چونکہ کوئی فرقہ اولیاء اللہ کی ذات کا منکر ہے، کوئی اُن کی صفاتِ عالیہ کا، کوئی ان کی کرامات کا، اور کوئی اُن کے فیوض وبرکات کا، تو کوئی ان کے علوم کا انکاری ہے، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو اَلَآ اور اِنَّ دوہری تاکید سے شروع فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی اس نورانی اور روحانی جماعت کو اولیاءاللہ کے پیارے لقب سے نوازتا ہے اور پھر اسی مقدس جماعت کو کبھی صالحین کا خطاب دیتا ہے کبھی متقین کا، کہیں مخلصین کا اور کہیں عبادالرحمٰن کا اور کہیں حزب اللہ کا، لقب عطا فرماتا ہے جیسا کہ مختلف مقامات پر فرمایا ہے:

وَ اللّٰہُ وَلِیُّ الْمُتَّقِیْنَ ...... وَ اللّٰہُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ ...... وَ ھُوَ یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیْنَ

قرآن پاک میں جابجا ان خطابات سے اولیاء اللہ کا یہی گروہ مراد ہے اور سورۃ انفال

آیت ۳۴ میں بالکل واضح طور پر فرما دیا ہے:

اِنْ اَوْلِیَآءُہٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ

ترجمہ: یہ متقین ہی اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں۔

اب اس گروہ کی شان وعظمت باری تعالیٰ پارہ ۲۵ سورۂ زخرف میں یوں بیان فرماتا ہے:

اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ

یعنی، قیامت کے دن میدانِ حشر کی ہیبت وہولناکی سے گھبرا کر جب مخلوق خدا ایک دوسرے کا ساتھ چھوڑ دے گی، جب کوئی کسی دوست کے کام نہیں آئے گا، باپ اپنے بیٹے سے، بیٹا اپنا باپ سے بھاگ جائے گا، بھائی کو بھائی جواب دے دے گا اور جب تمام رشتے ٹوٹ جائیں گے تو یہی اولیاء اللہ اور متقین قیامت کے دن بے سہاروں کا سہارا بن کر، بے چاروں کا چارہ بن کر، دکھیوں کے دستگیر بن کر، گنہگاروں کی شفاعت، بے یاروں اور بے مددگاروں کی امداد کریں گے۔ (مشکوۃ شریف، صفحہ ۴۹۴، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی، ادب منزل پاکستان چوک، کراچی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ قیامت کے دن حساب وکتاب کے بعد جب خداوند تعالیٰ مخلوق کے حق میں آخری فیصلہ فرمادے گا اور جنتیوں اور دوزخیوں کی پشت پر مہریں لگادی جائیں گی تو فرشتوں کو حکم فرمائے گا کہ پہلے جنتیوں کو جنت میں لے جاؤ چنانچہ جنتی انتہائی خوشی اور مسرت کے ساتھ جنت میں چلے جائیں گے اور دوزخی حسرت ویاس کے دریا اور شرمندگی اور رسوائی کے سمندر میں ڈوبے ہوئے ان کو دیکھتے ہوں گے اور پھر جب اولیاء اللہ کی صف دوزخیوں کے پاس سے گزرے گی تو ایک دوزخی جس کی پشت پر دوزخیوں کی مہر لگی ہوگی دوڑ کر اللہ کے ایک ولی کے پاؤں پکڑ لے گا اور عرض کرے گا اَمَا تَعْرِفُنِیْ کیا آپ مجھے نہیں پہچانتے اور پھر خود ہی کہے گا اَنَا الَّذِیْ سَقَیْتُکَ شَرْبَۃً میں وہی ہوں جس نے آپ کو ایک دفعہ پانی پلایا تھا، وَ قَالَ بَعْضُھُمْ اَنَا الَّذِیْ وَھَبْتُ لَکَ وُضُوْءًا اور کوئی کسی ولی سے کہے گا کہ میں وہی ہوں جس نے آپ کو ایک دفعہ وضو کرایا تھا، فَیَشْفَعُ لَہٗ فَیُدْخِلُہُ الْجَنَّۃَ یعنی وہ

اللہ کے ولی دوزخیوں کی شفاعت کریں گے اور وہ اولیاء کرام کی شفاعت اور مدد کے صدقے جنت میں داخل ہو جائیں گے، خداوند تعالیٰ کا غضب، رحمت میں تبدیل ہو جائے گا، ان کی مشکل آسان ہو جائے گی، ان کے دکھ دور ہو جائیں گے، ان کی بگڑی بن جائے گی، نیز اس حدیث شریف سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ اولیاء اللہ کے ساتھ کی گئی تھوڑی سے خدمت بھی ضائع نہیں جائے گی ایک نے پانی پلایا تھا اور دوسرے نے صرف وضو کرایا تھا۔ (مشکوٰۃ شریف، صفحہ ۴۳۰، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی، ادب منزل، کراچی)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص نے ننانوے قتل کئے پھر وہ توبہ کرنے کے ارادہ سے گھر سے چلا، اس نے ایک راہب سے پوچھا کہ میں نے ننانوے قتل کئے ہیں اور اگر اب میں توبہ کروں تو کیا خداوند تعالیٰ میری توبہ قبول کرلے گا؟ اس نے کہا نہیں تو اس نے اس راہب کو بھی قتل کردیا اور آگے جا کر کسی اور شخص سے پوچھا اور حدیث شریف کے الفاظ یوں ہیں:

ثُمَّ سَأَلَ اَعْلَمَ اَهْلِ الْاَرْضِ

یعنی، اس نے روئے زمین کے سب سے بڑے عالم سے دریافت کیا۔

تو انہوں نے جواب دیا:

فَانْطَلِقْ اِلٰى اَرْضِ كَذَا وَ كَذَا فَاِنَّ بِهَا اُنَاسًا يَعْبُدُوْنَ اللّٰهَ

یعنی، فلاں بستی میں چلے جاؤ وہاں کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے ہیں یعنی اولیاء اللہ رہتے ہیں۔

اور جب وہ اللہ تعالیٰ کے ولیوں کی طرف جا رہا تھا تو راستہ میں اس کا انتقال ہوگیا:

فَاخْتَصَمَتْ فِيْهِ مَلٰٓئِكَةُ الرَّحْمَةِ وَ مَلٰٓئِكَةُ الْعَذَابِ

یعنی، رحمت اور عذاب کے فرشتے آپس میں جھگڑنے لگے۔

عذاب کے فرشتے کہتے تھے کہ یہ سو آدمیوں کا قاتل ہے اس لئے یہ جہنمی ہے اور رحمت کے فرشتے کہتے تھے کہ اب یہ اللہ تعالیٰ کے ولیوں کی طرف توبہ کرنے جا رہا تھا اس لئے جنتی ہے، تب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ جاؤ یہ گنہگار جہاں سے چلا ہے وہاں سے

لے کر جہاں اس نے جانا تھا وہاں تک کا فاصلہ ناپو اگر اگلا حصہ کم ہے تو یہ جنتی ہے اور اگر پچھلا حصہ کم ہے تو یہ دوزخی ہے جب فرشتے وہ فاصلہ ناپنے لگے:

فَاَوْحَى اللّٰهُ الْاَرْضَ اِلٰى هٰذِهٖ اَنْ تَقَرَّبِىْ

یعنی، خداوند تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ آگے سے سمٹ جا۔

پس وہ زمین آگے سے سمٹ گئی اور فاصلہ کم ہوگیا یا وہ بستی قریب ہوگئی، فَغَفَرَ لَهٗ پس خدا کی رحمت اور بخشش کا دریا جوش میں آگیا اور سو انسانوں کے قاتل کو بخش دیا۔

اب غور کرنے کی بات یہ ہے کہ ایک سو انسانوں کا قاتل ابھی اللہ کریم کے ولیوں کے پاس پہنچا بھی نہیں تھا بلکہ ابھی اس بستی کی طرف جا رہا تھا جس میں اولیاء اللہ رہتے ہیں تو خداوند تعالیٰ نے اس قاتل گنہگار کو بخش دیا، صرف اس لئے کہ توبہ کرنے میرے دوستوں کی طرف جا رہا ہے۔

اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ

یعنی، بے شک اللہ تعالیٰ اولیاء اللہ کو محبوب رکھتا ہے ان سے محبت کرتا ہے (اِنْ اَوْلِيَآءُهٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ، یعنی یہ اولیاء اللہ متقین ہی ہیں) اور جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی مقبول بندے سے محبت کرتا ہے تو پھر ساری کائنات اس سے محبت کرنے لگتی ہے اور وہ ساری مخلوق کا محبوب بن جاتا ہے جیسا کہ سید المرسلین ﷺ نے فرمایا۔ (مشکوٰۃ شریف، صفحہ ۴۲۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اِذَا اَحَبَّ عَبْدًا دَعَا جِبْرَائِيْلَ فَقَالَ اِنِّىْ اُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبَّهٗ قَالَ فَيُحِبُّهٗ جِبْرَائِيْلُ ثُمَّ يُنَادِىْ فِى السَّمَآءِ فَيَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبُّوْهُ فَيُحِبُّهٗ اَهْلُ السَّمَآءِ ثُمَّ يُوْضَعُ لَهُ الْقُبُوْلُ فِى الْاَرْضِ

یعنی، اللہ کریم جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرائیل علیہ السلام کو بلا کر کہتا ہے کہ میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس بندے سے محبت کرو، نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا پھر جبرائیل علیہ

السلام بھی اس بندہ سے محبت کرنے لگتے ہیں، بعد ازاں آسمانوں میں منادی کرا دی جاتی ہے کہ اے آسمان والو! خداوند تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو، پس آسمانوں کے تمام فرشتے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ زمین والوں کے دلوں میں بھی اپنے مقبول اور محبوب بندہ کی محبت پیدا فرما دیتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مقبولانِ الٰہی کے آستانوں پر مخلوقِ خدا کا ہجوم رہتا ہے، ان کے دروازوں پر حاجت مندوں کا میلہ لگا رہتا ہے اور ان دلق پوشوں کی بارگاہوں پر بادشاہانِ وقت کاسۂ گدائی لئے پھرتے ہیں اور اُن کی چوکھٹوں پر تاجداروں کی جبینِ نیاز جھکتی ہے اور ان کے چشمہ روحانیت سے اپنی پیاس بجھانے کے لئے تشنگانِ معرفت کا ہجوم رہتا ہے، اور ان کے میخانۂ عرفان سے شرابِ عشق ومستی پینے والوں کا میلہ لگا رہتا ہے اور ان کے چراغ رشد وہدایت سے حق وصداقت کی راہ کے متلاشی پروانوں کا اژدہام رہتا ہے اور ان اولیاء اللہ کی عظمت ورفعت اور جلال وجمال روزِ محشر دیدنی ہوگا:

عن عمر ابن خطاب رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰہِ لَاُنَاسًا مَا ہُمْ بِاَنْبِیَآءَ وَ الشُّھَدَآءِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ بِمَکَانِھِمْ مِنَ اللّٰہِ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ تُخْبِرُنَا مَنْ ھُمْ؟ قَالَ ھُمْ قَوْمٌ تَحَابُّوا بِرُوْحِ اللّٰہِ عَلٰی غَیْرِ اَرْحَامٍ بَیْنَھُمْ وَ لَا اَمْوَالٍ وَ سَعَاطُوْنَھَا فَوَ اللّٰہِ اِنَّ وُجُوْھَھُمْ لَنُوْرٌ وَ اِنَّھُمْ لَعَلٰی نُوْرٍ لَا یَخَافُوْنَ اِذَا حَزِنَ النَّاسُ وَ قَرَاَ ھٰذِہِ الْاٰیَۃَ "اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَ لَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ"

یعنی، حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جو نہ انبیاء ہیں نہ شہداء ہیں لیکن بارگاہِ خداوندی میں قیامت کے روز ان کے مقام وعظمت کو دیکھ کر لوگ ان پر شک کریں گے، دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم کو خبر دیجئے کہ وہ کون

لوگ ہیں؟ فرمایا وہ ایسے لوگ ہوں گے جو رشتوں اور مالی لین دین کی بجائے محض رضائے الٰہی کے لئے آپس میں محبت رکھیں گے، فرمایا خدا کی قسم ان کے چہرے نورانی ہوں گے اور وہ نور کے تختوں پر جلوہ افروز ہوں گے، جب لوگ خوفزدہ ہوں گے تو ان کو کوئی خوف نہیں ہوگا اور جب لوگ غمگین ہوں گے تو وہ غمزدہ نہیں ہوں گے اس کے بعد آپ نے یہ آیت مقدسہ تلاوت فرمائی: "اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَ لَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ"

رسول اللہ ﷺ نے قیامت کے دن اولیاء اللہ کی عظمت ورفعت ونورانیت کے تختوں پر جلوہ افروز ہونے کا نقشہ اس حدیث شریف میں بیان فرمادیا ہے۔

مزید برآں اولیاء اللہ کے اختیارات اور تصرفات اور اس کی وجہ احادیث پاک کی روشنی میں واضح دلیل کے ساتھ بیان کی جارہی ہے، حدیث قدسی ہے ارشاد ہوتا ہے:

مَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّہٗ ﷺ فَکُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَ بَصَرَہُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِہٖ وَ یَدَہُ الَّتِیْ یَبْطُشُ بِھَا وَ رِجْلَہُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِھَا

یعنی، جب بندہ نوافل کے ذریعے مجھ سے قرب حاصل کرلیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو اپنا محبوب بنالیتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو اس کی قوتِ سامعہ بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔

اب اندازہ فرمائیے کہ جب بندہ خدائی صفات کا مظہر ہو جائے اور جس کے ہاتھ پاؤں، آنکھ اور کان کو خدائی قدرت مل جائے تو اس کی طاقت کا کوئی ٹھکانہ نہیں، اس کی قوت کا کوئی اندازہ نہیں کیا جاسکتا، چونکہ خدائی قدرت وطاقت کی کوئی انتہا ہے ہی نہیں اور امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمانے کے مطابق جب اولیاء اللہ کا دیکھنا خدائی آنکھ سے

دیکھنا ہے تو پھر اس کے دیکھنے کی بھی کوئی حد نہیں ہے وہ اپنے مصلّے پر بیٹھ کر ساری کائنات کو دیکھ سکتا ہے اسی لئے تو عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لوح محفوظ است پیش اولیاء

یعنی ،**لوح محفوظ** بھی اولیاء اللہ کے سامنے ہوتی ہے۔

اور مردِ کامل جب خدا کے کانوں سے سنتا ہے تو پھر اس کے سننے کی بھی کوئی حد نہیں ہو گی، وہ اپنے حجرے میں بیٹھ کر مشرق و مغرب کی آوازیں سن سکتا ہے اور اپنے مریدوں کی فریادیں سن سکتا ہے جہاں کہیں بھی وہ ہوں، اور جب اس کا ہاتھ خدائی صفات کا مظہر ہوگا تو پھر اس کی دستگیری بھی خدا کی دستگیری ہوگی چونکہ اس کے ہاتھ خدا کے ہاتھ ہیں، علامہ اقبال کہتے ہیں:ـــ

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ   غالب و کارآفریں، کارکشا و کارساز

اور مندرجہ بالا حدیث شریف کی روشنی میں اولیاء اللہ کا بولنا بھی خدائی بولنا ہوگا جیسا کہ مولانا روم فرماتے ہیں:ـــ

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود   گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث پاک کی شرح میں فرماتے ہیں:

العبد اذا واظب علی الطاعات بلغ الی المقام الذی یقول اللہ کنت سمعاً و بصراً فاذا صار نور جلال اللہ سمعاً له سمع قریباً و اذا صار ذالک النور بصراً له رئ القریب و البعید و اذا صار ذالک النور یداً له قدر علی التصرف فی الصعب و السھل و البعید و القریب (تفسیر کبیر از امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ، جزو ۲۱ صفحہ ۹۱)

یعنی، جب بندہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ہمیشگی اختیار کرتا ہے تو وہ اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو میں اس کی سمع اور بصر بن جاتا ہوں تو جب اللہ تعالیٰ کے جمال کا نور اس کی سمع بن جاتا ہے تو وہ بندہ

قریب اور دور سے یکساں سنتا ہے اور جب یہی نور اس کی بصر ہو جاتا ہے تو وہ قریب اور دور سے برابر دیکھتا ہے اور جب یہی اللہ تعالیٰ کا نور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہے تو وہ خشکی اور تری میں قریب و بعید میں یکساں طور پر تصرف پر قادر ہو جاتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الکمال المطلق عبارۃ من مقام ولی فیه یعطی الکامل حقائق الاشیاء حقها بالتمام و الکمال فیتصف بسائر صفات الربوبیت و بجمیع صفات العبودیة فی آنٍ واحدٍ (انفاس العارفین، فارسی، صفحہ ۱۵)

یعنی، کمال مطلق کو ولی اللہ کے اس مقام سے تعبیر کیا جاتا ہے جس میں ولی کامل کو تمام اشیاء کی حفاظت سے کامل طور پر آگہی دی جاتی ہے پس وہ ولی اللہ ایک ہی وقت میں ربوبیت وعبودیت کی تمام صفات سے متصف ہوتا ہے۔

غوثِ اعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتوح الغیب مقالہ نمبر ۱۶ بعنوان منزل توکل صفحہ نمبر ۳۵ میں فرماتے ہیں اس مقام پر پہنچ کر تمہیں تکوینی نظام یعنی کائنات کا نظم و نسق سونپ دیا جائے گا اور تم خدا کے ایسے واضح اور صریح حکم اور روشن دلیلوں کے ذریعہ جیسے سورج روشن ہوتا ہے کائنات کا نظم و نسق چلا سکو گے اور لذیذ شئے سے زیادہ لذیذ کلام اور ایسے صادق الہام سے جس میں کسی قسم کا التباس نہ ہو اور جو مقتضائے قلبی اور وسواسِ شیطانی سے مبرا ہو تمہیں نواز دیا جائے گا جیسا کہ باری تعالیٰ نے اپنے بعض کتابوں میں فرمایا ہے کہ اے اولادِ آدم میں ہی وہ خدا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے جب میں کسی چیز کے متعلق کہہ دیتا ہوں کہ ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے، لہٰذا جب تم خدا کی اطاعت کرتے رہو گے تو تمہیں ایسا بنا دیا جائے گا کہ جب تم کسی شئے کے متعلق کہو کہ ہو جا تو وہ ہو جائے گی بلاشبہ بہت سے انبیاء اور اولیاء کے ساتھ یہی معاملہ رہا ہے۔ (فتوح الغیب اردو معنف غوث

اعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ، مدینہ پبلشنگ کمپنی بندر روڈ، کراچی نمبرا)

اللہ تعالیٰ نے اولیاء اللہ کے صرف فضائل اور ان کی شان وعظمت بیان فرمانے ہی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اولیاء اللہ کا دامن تھامنے اور ان سے وابستہ ہو جانے کا حکم دیا ہے اور ارشاد فرمایا:

وَ اصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِیِّ
یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَ لَا تَعْدُ عَیْنٰکَ عَنْهُمْ (پارہ۱۵،سورہ کہف)

ترجمہ: اپنی جان کو ان کے ساتھ مانوس رکھو جو صبح وشام اس کی رضا کے لئے اپنے رب کو پکارتے اور اس کا ذکر کرتے ہیں اور تمہاری آنکھیں انہیں چھوڑ کر کسی اور پر نہ پڑیں۔

اس آیہ کریمہ میں اللہ والوں کے ساتھ وابستہ اور پیوست رہنے کا حکم ہے یعنی ان کے ساتھ اپنی جانوں کو لگائے رکھو ان سے چپٹے رہو جو اللہ تعالیٰ کی یاد میں مگن ہیں، یہ قرآن کی نص ہے کہ اللہ والوں کے ہو جاؤ چونکہ جو اللہ والوں کا ہو جاتا ہے وہ اللہ والا ہو جاتا ہے، آگے یہ حکم دیا جارہا ہے کہ ہمیشہ اپنی نگاہوں کو ان کی طرف جمائے رکھو، ان کی طرف سے اپنی نظروں کو نہ ہٹاؤ، ان کا دیدار کرتے رہو، گویا ان کو اپنے تن من میں بسالو اور ان کے تصور میں ڈوب جاؤ یعنی فنافی الشیخ ہو جاؤ۔

اب میں آخر میں شجرہ شریف عالیہ قادریہ جہانگیریہ ابو العلائیہ کے اس شعر پر اپنے مضمون کو ختم کرتا ہوں ۔

عشق دے مرشد کا مجھ کو یاد الہ العالمین
انبیاء و اولیاء و اصفیاء کے واسطے

بیعت مرشد کا جواز

''بیعت مرشد کا جواز قرآن وحدیث اور ائمہ تصوف کے اقوال کی روشنی میں''

قال اللہ تعالیٰ فی القرآن المجید اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ (پ۶ سورہ مائدہ)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں مجاہدہ کرو تاکہ فلاح پاؤ۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف ''قول الجمیل'' میں لکھتے ہیں کہ یہاں وسیلہ سے مراد بیعت مرشد ہے، اسی طرح مولوی اسماعیل صاحب دہلوی نے اپنی تصنیف ''امامت'' میں لکھا ہے ''مراد از وسیلہ شخصے است کہ اقرب الی اللہ باشد'' وسیلہ سے وہ شخص مراد ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے زیادہ قرب اور نزدیکی حاصل ہو، صاحب تفسیر حقانی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ بزرگانِ دین بھی خدا کے قرب کا وسیلہ ہیں۔ اسی طرح صاحب تفسیر معالم لکھتے ہیں کہ اولیاء اللہ کی محبت اور اعمالِ صالح اللہ تعالیٰ کے قرب کا وسیلہ ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنْکُثُ عَلٰی نَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ اَوْفٰی بِمَا عٰهَدَ عَلَیْهُ اللّٰهَ فَسَیُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا (پارہ۲۶،سورہ فتح)

ترجمہ: تحقیق جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی سے بیعت کرتے ہیں، خداوند تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے پس جو شخص اس اقرار اور قول کو توڑے گا تو اس کا وبال اس کی جان پر ہوگا اور

جو اس عہد کو پورا کرے گا جو اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا ہے تو عنقریب اللہ تعالیٰ اس کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

صاحب تفسیر مواہب الرحمٰن اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ''اس آیت مقدسہ میں دلیل ہے کہ بیعت امر مشروع ہے اور یہ امر مشہور، متواتر اور باجماع امت ثابت ہے کہ بیعت امر شرعی ہے''۔ گویا یہ آیت بیعت کے بارے میں نص قطعی ہے۔

ایک تیسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ (پارہ ۲۶، سورہ فتح)

ترجمہ: تحقیق اللہ تعالیٰ مومنین سے راضی ہو گیا، جس وقت درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے۔

بیعت اس قدر اہم اور ضروری موضوع ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ایک اور مقام پر ارشاد فرماتا ہے:

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ (پارہ ۱۵، سورہ بنی اسرائیل)

ترجمہ: جس دن ہم ہر جماعت کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔

مفتی احمد یار خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر نور العرفان میں لکھتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں کسی صالح کو اپنا امام بنالینا چاہئے، شریعت میں تقلید کر کے اور طریقت میں بیعت کر کے، تاکہ حشر اچھوں کے ساتھ ہو اگر کوئی صالح امام (رہبر و مرشد) نہ ہوگا تو اس کا امام شیطان ہوگا، اس آیت میں تقلید اور بیعت مریدی سب کا ثبوت ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ وہ شخص خوش نصیب ہے جس کو کسی مرشدِ کامل سے بیعت کر کے مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کے زمرہ میں شامل ہو کر شرف نسبت نصیب ہوا اور چونکہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی معیت اور صحبت شرعاً محبوب اور مطلوب ہے اس لئے انبیا علیہم السلام نے بھی مولیٰ کریم سے معیت صالحین کی دعائیں مانگی ہیں، حضرت یوسف علیہ السلام نے دعا فرمائی:

تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ

عورتوں کی بیعت کا قرآن پاک سے ثبوت

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّ لَا يَسْرِقْنَ وَ لَا يَزْنِيْنَ وَ لَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَ لَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ وَ لَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (پارہ ۲۸)

ترجمہ: یا نبی کریم (ﷺ) جب آپ کے پاس ایمان دار عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کے لئے آئیں اور اس غرض سے حاضر ہوں کہ وہ آپ سے ان باتوں پر عمل کرنے کے لئے بیعت کریں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی شئے کو شریک نہ کریں گی، چوری اور بدکاری نہ کریں گی اور اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی نہ کوئی بہتان باندھیں گی نہ کسی نیک کام میں آپ کی نافرمانی کریں گی تو آپ ان کی بیعت کر لیجئے اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کیجئے بے شک اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے۔

صاحب تفسیر مواہب الرحمٰن اس آیت پاک کے تحت لکھتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کوہِ صفا پر جلوہ افروز تھے اور جو عورتیں اسلام قبول کرنے اور بیعت کے لئے حاضر ہوتیں تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آپ کی نیابت میں کوہِ صفا کے نیچے آپ کے حکم کے مطابق بیعت فرماتے تھے یعنی اُن عورتوں سے بیعت لیتے تھے، اس سے ثابت ہوا کہ پیرانِ عظام کا بیعت لینے کے لئے خلیفے بنانا اور ان کی اپنی نیابت میں بیعت لینے کی اجازت دینا جائز ہے جیسا کہ حضور پرنور سید عالم ﷺ نے اپنے سامنے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اپنی طرف سے بیعت لینے کے لئے خلیفہ بنایا۔

احادیث پاک سے بیعت کا ثبوت

بخاری شریف میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے، آپ نے ارشاد فرمایا:

بَایِعُوْنِیْ عَلٰی اَنْ لَا تُشْرِکُوْا بِاللّٰہِ شَیْئًا وَّ لَا تَسْرِقُوْا وَ لَا تَزْنُوْا وَ لَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَکُمْ وَ لَا تَاْتُوْا بِبُھْتَانٍ یَّفْتَرُوْنَہٗ بَیْنَ اَیْدِیْکُمْ وَ اَرْجُلِکُمْ وَ لَا تَعْصَوْا فِیْ مَعْرُوْفٍ

یعنی، تم لوگ مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ اللہ تعالٰی کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، چوری اور زنا نہ کرنا اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا اور اپنی طرف سے بنا کر کسی پر بہتان نہ باندھنا اور کسی اچھی بات میں اللہ تعالٰی اور اس کے رسول کی نافرمانی نہ کرنا۔

بخاری شریف کی ایک دوسری حدیث میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہو:

اَنْ بَایَعْنَا عَلَی السَّمْعِ وَ الطَّاعَةِ وَ عُسْرِنَا وَ یُسْرِنَا

یعنی، حضور نے ہم کو بلا کر بیعت فرمایا اور اقرار کرایا کہ کہو، بیعت کی ہم نے سننے اور فرمانبرداری کرنے پر اپنی خوشی میں رنج، تنگی اور فراخی میں۔

ابن ماجہ شریف میں روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فقرائے مہاجرین سے اس بات پر بیعت لی:

عَلٰی اَنْ لَا تَسْئَلُوا النَّاسَ شَیْئًا وَ کَانَ اَحَدُھُمْ یَسْقُطُ سَوْطُہٗ یَنْزِلُ مِنْ فَرَسِہٖ فَیَاْخُذُہٗ وَ لَا یَسْئَلُ اَحَدًا

یعنی، لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہ کرنا تو ان لوگوں نے اس اقرار کی اس حد تک پابندی کی کہ اگر ان کے ہاتھ سے کوڑا بھی گر جاتا تو گھوڑے سے اتر کر خود کوڑا اٹھاتے اور کسی سے اٹھانے کا سوال نہ کرتے۔

بخاری شریف میں ہے کہ غزوۂ خندق کے دن حضور علیہ السلام نے تمام مہاجرین و انصار کے لئے دعاءِ مغفرت فرمائی تو ہم سب نے عرض کیا:

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ عَلَی الْاِسْلَامِ مَا بَقِیْنَا اَبَدًا

یعنی، ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے دستِ حق پرست پر اس قول پر بیعت کی کہ جب تک ہم زندہ رہیں گے اسلام پر قائم رہیں گے۔

اور اس وقت تمام مہاجرین و انصار حاضر تھے، ایک بھی خادم و جاں نثار غیر حاضر نہیں تھا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

کَانُوْا خَمْسَ عَشَرَةَ مِائَةَ الَّذِیْنَ بَایَعُوا النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ الْحُدَیْبِیَةَ

یعنی، ہم پندرہ سو آدمیوں نے حدیبیہ کے دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دستِ حق پر بیعت کی۔

بیعت الطریقہ

عن جریر بن عبداللّٰہ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہما قال بایعتُ النبی ﷺ علی اقامۃِ الصّلوۃ و ایتاء الزّکوۃ و النصح لِکُلِّ مُسْلِمٍ

(بخاری شریف، باب البیعۃ علی اقامۃ الصلوٰۃ، صفحہ ۵۷، مطبوعہ کراچی)

یعنی، جریر ابن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں "میں نے بیعت کی نبی کریم ﷺ کے ساتھ اقامۃ الصلوٰۃ، ایتاء الزکوٰۃ اور ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی پر۔

عورتوں کی بیعت کا حدیث شریف سے ثبوت

بخاری شریف میں حضرت امّ عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم سے حضور علیہ السلام نے بیعت کے وقت یہ عہد بھی لیا:

اَنْ لَا نَنُوْحَ

یعنی، ہم نوحہ نہیں کریں گی۔

ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن ۴۵۷ عورتوں نے آنحضرت ﷺ

کے دست مبارک پر بیعت کی۔

ابوداؤد شریف میں امّ عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب حضور ﷺ مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو آپ نے ایک مکان میں انصار کی عورتوں کو جمع کر کے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ان سے بیعت لینے کے لئے بھیجا چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مکان کے دروازہ پر کھڑے ہو کر نبی کریم ﷺ کے حکم سے ان سے بیعت لی اور ان مستورات نے دور سے ہی اپنے ہاتھوں کے اشارہ سے قبولیت بیعت کا اظہار کیا۔

خلفاءِ راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے بیعت کا ثبوت اور جواز

تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے چاروں خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہاتھوں پر یکے بعد دیگرے بیعت کی، بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے مشاورت کے بعد جب امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا تو ان کے ہاتھ پر بیعت کے وقت کہا:

اُبَایِعُکَ عَلٰی سُنَّۃِ اللّٰہِ وَ سُنَّتِ رَسُوْلِہٖ وَ الخلیفتینِ مِنْ بَعْدِہٖ

یعنی، میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ اور دونوں خلفاء کی سنت کے مطابق آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔

مندرجہ بالا احادیث متبرکہ سے ثابت ہوا یہ بیعت سنت مطہرہ ہے اور سنت کے مطابق عمل پیرا ہونے کے بارے میں آپ نے فرمایا:

مَنْ اَخَذَ بِسُنَّتِیْ فَھُوَ مِنِّیْ وَ مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ

یعنی، جو میری سنت پر عمل کرے وہ مجھ سے ہے اور جو میری سنت سے منہ پھیرے وہ مجھ سے نہیں ہے۔

اقوالِ صالحین سے بیعت کا ثبوت

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ عوارف المعارف میں حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہیں:

من لم یکن لہ استاذ فامامہ الشیطان

یعنی، جس شخص کا کوئی پیر نہ ہو اس کا پیر او رامام شیطان ہے۔

حضرت شاہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ قول الجمیل صفحہ ۱۲ میں فرماتے ہیں:

ان البیعۃ سنۃ

یعنی، بیعت سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ عزیزیہ جلد اول صفحہ ۴۸ میں فرماتے ہیں ''جو مرید اپنی عقیدت کا ہاتھ مرشد کے ہاتھ کے ساتھ منعقد کرتا ہے تو مرشد اور بیعت کے واسطے سے اس کا انعقاد سرچشمۂ نبوت و رسالت سرورِ دوجہاں فخرِ کون و مکاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ ہو جاتا ہے۔

مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

ہر کہ خواہد ہمنشینی با خدا　　او نشیند در حضورِ اولیا
پیر کامل صورت ظلِ الٰہ　　یعنی دید پیر دید کبریا

امام اربابِ طریقت، پیشوائے اہل حقیقت، واقفِ رموز معرفت سیدنا حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ کامل وہ عالی مقام ہستی ہے کہ حضور پرنور رحمت عالم احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ ہر وقت اس کی آنکھوں کے سامنے ہوتے ہیں اور وہ ایک لمحہ کے لئے بھی مشاہدہ حق سے غافل نہیں ہوتا۔

اس مضمون میں سب سے پہلی آیت مقدسہ میں قابل غور یہ امر ہے کہ قرآن پاک اپنے واضح الفاظ میں ایسے سعادت مند انسانوں کو وسیلہ کی تلاش کا حکم دیتا ہے جو دولتِ ایمان سے مشرف ہو چکے ہیں اور تصدیقِ قلبی کے ساتھ ساتھ احکامِ خداوندی کی پوری طرح بجا آوری سے اپنے ایماندار ہونے کا عملی ثبوت پیش کر چکے ہیں، اہل علم جانتے ہیں کہ اس آیۂ متبرکہ میں اولین خطاب اور روئے سخن خیر القرون کے ان محترم صحابہ کرام کی طرف ہے جن کا شمار اَلسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ میں ہوتا ہے اور جن کے علوِ مرتبت اور رفعت شان کا یہ عالم ہے کہ خود خداوند تعالیٰ ان کے بارے میں ارشاد فرما رہا ہے:

لَهُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ مَغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ (پ۹)

ترجمہ: ان کے لئے اپنے رب کے پاس بڑے درجے ہیں اور ان کے لئے مغفرت اور عمدہ رزق ہے۔

اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ مولیٰ کریم سے راضی ہوئے۔

تو دیکھنا یہ ہے کہ ایسے برگزیدہ حضرات کو ایمان میں استحکام و مضبوطی اور عالی درجات و مراتب حاصل کرنے کے لئے وسیلہ کی تلاش اور اس میں مجاہدہ کا حکم دیا جا رہا ہے۔

اس کے بعد حدیث پاک کے یہ الفاظ "بَایِعُوْنِیْ" یعنی تم سب میرے ہاتھ پر بیعت کرو کے واضح الفاظ بیعت تو بہ و بیعت انابت کا حکم دینا اور یہ فرمانا کہ تم میرے ہاتھ پر بیعت کرو اور صحابہ کرام اور صحابیات رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا لبیک کہنا خوابیدہ بختوں کو چشم بصیرت کو وا کرنے اور صراط مستقیم سے روگردانی کرنے والوں کو متنبہ کرنے کے لئے کافی ثبوت ہے۔

اب آخر میں قطب الاقطاب، غوث الاغواث، فرد الافراد شہباز لامکانی، محبوب سبحانی حضرت میراں محی الدین، پیران پیر، دستگیر الشیخ السید عبدالقادر جیلانی الحسنی والحسینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مندرجہ ذیل ارشاد گرامی پر اپنے مضمون کو ختم کرتا ہوں:

فلا بد لكل مريد لله عز وجل من شيخ على ما بيّنّا (غنیۃ الطالبین، صفحہ۱۶۹، مطبع نول کشور، لاہور)

یعنی، پس ہر مرید کے لئے لازم ہے اللہ عزوجل کی رضا کے لئے نیز فرمایا پس مرید پیر پکڑنے کے لئے مجبور ہے۔

اور آپ کے اس ارشاد کی تصدیق مندرجہ ذیل حدیث رسول مقبول ﷺ سے ہوتی ہے:

عن عبدالله ابن عمر قال سمعت رسول الله ﷺ يقول من خلع يداً مِن طاعةٍ لَقِيَ اللّٰهَ يَوْمَ القيامةِ وَ لا حجة لهُ و من مات

و ليس في عُنُقِهٖ بيعةٌ مَاتَ ميتةً جاهليةً (مشکوٰۃ شریف (بحوالہ مسلم شریف) نمبر۳۴،۳۵، صفحہ۱۹۲، جلد دوم، مطبع فرید بک اسٹال، ۴۰ اردو بازار، لاہور)

یعنی، جس نے امیر کی اطاعت سے اپنا ہاتھ نکال لیا تو جب قیامت میں اللہ تعالیٰ سے ملے گا تو اس کے پاس کوئی وجہ جواز نہیں ہوگی اور جو مر گیا اور اس کے گلے میں کسی کی بیعت نہ تھی تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔

خلاصہ یہ ہے کہ بیعت مرشد ایک مشروع عمل ہے اور یہ امر مشہور، متواتر، اور با جماع امت ثابت ہے اور مذکورہ بالا آیات قرآنی، احادیث مقدسہ، خلفاء راشدین المہدیین اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عمل بیعت کے بارے میں نصوص قطعی کا حکم رکھتے ہیں اور ایسے مسلمہ اور ثابت من السنۃ عمل کا ترک کرنا اہل ایمان کے لئے یقیناً موجب حرمان اور باعث خسران ہے۔